جلد 24 شمارہ 7 ماہ اگست 2022ء محرم الحرام 1444ھ



ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔



ماہنامہ
فلاحِ آدمیت
گوجرانوالہ



عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

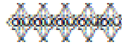


سالانہ فنڈ -/300 روپے

!

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
درس حدیث	مولانا فضل الرحیم	1
نقوش مہر و وفا	سید رحمت اللہ شاہ	4
عبدالحکیم انصاریؒ کی بصیرت کا مقام	عبدالقیوم ہاشمی	11
زندگی کا حاصل، قرآن سے تعلق	پیر خان توحیدی	19
فلسفہ حج	ڈاکٹر غلام جیلانی برق	25
مقصد حیات	قاری محمد طیب قاسمیؒ	28
اسلام کا تصور اخلاق	حمید اللہ شاہ ہاشمی	33
حلال اور حرام کا اسلامی تصور	محمد عبدالہادی العمری	44
توبہ کی حقیقت	ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ	52



درس حدیث: قول وفعل میں تضاد (مولانا فضل الرحیم)

﴿عَنْ عَبْدُاللّٰه بِنْ عُمر رضی اللّٰه عنه، قَالَ قَالَ رَسُول اللّٰه ﷺ اربع من کن فیه کان منافقا خالصا و من کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها اذ اوتمن خان و اذا حدث کذب و اذا عاهد غدرو اذا خاصم فجر﴾ O (متفق علیه)

ترجمہ : "حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص میں چار باتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چاروں باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جائے، اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، یہاں تک کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے اور وہ چار باتیں یہ ہیں جب امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹ بولے، عہد کرے تو اسے توڑ دے، جھگڑے تو بدزبانی کرے۔"

احکام اسلام میں قول وفعل میں مطابقت کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کی خلاف ورزی کو منافقت قرار دیا گیا اور نفاق کی نشانیوں میں شمار کیا گیا۔

منافقت، منافق یا نفاق عربی زبان کے الفاظ ہیں جو لفظ نفق سے بنے ہیں، عربی میں نفق دو منہ والی سرنگ کو کہتے ہیں، اس لئے منافقت دو غلے پن کو کہتے ہیں۔ اندر کچھ اور ظاہر میں کچھ اور، ظاہر و باطن ایک جیسے نہ ہوں تو اسے منافقت کہتے ہیں اور جس انسان کے اندر یہ انداز پایا جائے اسے دو رُخا یا دو چہروں والا کہا جاتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق منافقت دو طرح کی ہوتی ہے ایک اعتقادی اور دوسری عملی، اعتقادی منافقت تو یہ ہے کہ کوئی انسان دل سے اسلام کی سچائی اور اس کے حق ہونے کو نہ مانتا ہو صرف زبان سے کہتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ ایسے لوگوں کا تذکرہ سورۃ البقرہ کے دوسرے رکوع میں کیا گیا۔ ان کے قول وفعل میں تضاد تھا، جب ایمان والوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم ایمان لائے اور جب کفار کے پاس جاتے تو کہتے ہم تو ان کا مذاق اُڑا رہے تھے، درحقیقت ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ایسے منافق حقیقت میں کافر سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔

دوسرے قسم کے عملی منافق ہیں جو دل سے اسلام کی سچائی اور اس کے حق ہونے کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اپنی انسانی کمزوریوں کی وجہ سے احکامات اسلام پر عمل کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ ایسے منافق کی اصلاح، تربیت کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔

نفاق اور منافقت کو کیسے پہچانا جائے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے منافق کی چار نشانیاں بتائی ہیں اور فرمایا کہ اگر کسی شخص کے اندر ان میں سے کوئی ایک نشانی بھی پائی جائے تو اس کے اندر نفاق کی علامت پائی گئی۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اسکی خلاف ورزی کرے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب جھگڑے تو بدزبانی کرے، گالیاں بکے۔ ان سب چیزوں میں بنیادی چیز قول وفعل میں تضاد ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اے اہلِ ایمان! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو! اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات انتہائی ناپسندیدہ ہے کہ ایسی بات کہو جس پر عمل نہ کرو۔" (سورہ صف آیت 2و3)

جو کام تم نے نہیں کرنا تو پھر اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو۔انسان کسی کام کرنے کا دعویٰ کرتا ہے دل میں کام کرنے کا عزم بھی ہوتا ہے لیکن وہ کام کسی وجہ سے نہیں ہوتا تو پھر بھی انسان قول و فعل میں تضاد کا مرتکب ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ اگر دل میں کسی کام کے کرنے کا ارادہ پختہ ہو پھر بھی نفس یعنی اپنی ذات پر اعتماد نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ اِنْ شاء اللّٰہ میں یہ کام کروں گا یعنی اگر اللہ نے چاہا۔

قول و فعل میں تضاد کا ایک پہلو تو دعویٰ کا ہے اور دوسرا پہلو دعوت کا یعنی کوئی شخص دعوت و تبلیغ کا کام کرتا ہے وعظ و نصیحت کرتا ہے لوگوں کو بھلائی کا کام کرنے کی دعوت دیتا ہے لیکن خود نہیں کرتا یہ نفاق کی نشانیوں میں شمار نہیں بلکہ عملی کمزوریوں میں شمار کی جاتی ہے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا: اتــا مــرون الـنــاس بـا لبـر و تنسون انفسکم : تم لوگوں کو تو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، دعوت و تبلیغ کے کام میں یہ بہت بڑی کمزوری شمار ہوتی ہے اور اس کا منفی اثر یہ ہوتا ہے کہ دعوت کا صحیح اثر نہیں ہوتا۔منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہونگے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے بری حالت دو چہروں والوں یعنی منافقین کی ہوگی، معاشرتی نقصانات میں سب سے بڑا نقصان قول و فعل میں تضاد رکھنے والے کو یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص لوگوں کی نظروں میں گر جاتا ہے اور اس کی وقعت ختم ہو جاتی ہے۔اس کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔لوگ اعتماد نہیں کرتے۔قول و فعل میں مطابقت کی بہت فکر کرنی چاہیے تا کہ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکے اور معاشرے کے افراد کا باہمی اعتماد حاصل رہے۔

نقوش مہر ووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

مرتب:سید رحمت اللہ شاہ

میرے بھائیو، میرے بیٹو! ٹائم ہے۔وقت ہے۔اسی لئے اللہ نے دیا ہے۔ مہلت دی ہے۔سورۃ الملک میں آتا ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا. (سورۃ الملک ۶۷ ۔آیت۲)

زندگی اور موت اس لئے پیدا کی ہے کہ تمہارا امتحان ہے۔کون بہترین عمل کرتا ہے کون فرسٹ آتا ہے۔کون سیکنڈ آتا ہے۔امتحان کا نتیجہ نکلتا ہے تو سب کو یہی ہوتا ہے کہ کس نے سارا سال کارکردگی کتنی کی؟ کیسا پڑھا؟ کتنی محنت کی؟ آج اس کا رزلٹ نکلے گا۔ موت و حیات اللہ نے کہا کہ اس لئے بنائی ہے۔ یہ ہمارا ٹیسٹ ہے۔آزمائش ہے کہ اس وقت کو ہم کیسے طے کرتے ہیں۔

انسان کے علاوہ ہر مخلوق بندھی ہوئی ہے۔وہ چڑیا ہو، بیل ہو، ہاتھی ہو، شیر ہو، جو مرضی ہو،اللہ نے ان کی جو ڈیوٹی لگا رکھی ہے اس کو وہ بدل نہیں سکتے ۔جیسی زندگی لاکھ سال پہلے تھی آج بھی ویسی ہے۔ لاکھ سال بعد بھی ایسی ہی رہے گی۔ یہی کھائیں گے، یہی پئیں گے،کوئی تبدیلی نہیں آئے گی ۔لیکن انسان جو ہے اس کو آزادی دی ہے،اس کو عقل دی ہے،اس کو فراست دی ہے،اس کو عقل کے استعمال کی آزادی دی ہے،یہ خود اپنی عقل سے فیصلہ کرے گا کہ کس راستے پہ چلنا ہے۔پیغمبرﷺ سے کہا کہ آپ بتا دیں ،یہ میری تعلیم ہے۔

مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے۔ یہ سب اللہ نے پیدا کیا ہے۔ مرو گے پھر اعمال ہوں گے۔
بس یہ بتا دو۔ کھینچ کے ان کو نہیں لانا۔ زبردستی نہیں کرنی۔ یہ عمل اپنی سوچ سے کریں گے۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا۔ (سورۃ الانسان ۷۶۔ آیت ۳)

ہم نے تفصیل بتا دی ہے۔ آگے ان کا کام ہے کہ یہ کفر کا راستہ اختیار کرتے ہیں یا شکر کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اس پہ آ جاؤ۔ یہ ہمارا امتحان ہے۔ اس میں ہر انسان کا باری باری امتحان ہے۔ تھوڑی ہے، زیادہ ہے، اچھی زندگی گزارو۔ طے کرنے میں دیر نہیں لگتی۔

ایک جنگ ہو رہی تھی۔ تلواروں کی جنگ آمنے سامنے ہوتی تھی۔ فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ اُدھر سے ایک کافر آیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کے سلام کیا۔ کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں مسلمان ہو جاؤں، جنگ لڑوں، اور میں شہید ہو جاؤں تو کیا جنت میں جاؤں گا۔ فرمایا: ہاں بالکل جاؤ گے۔ جنت میں جاؤ گے۔ اس نے کلمہ پڑھا، مسلمان ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد لڑائی ہوگئی اور وہ شہید ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: تم ایسا بھائی دیکھنا چاہتے ہو جس نے نہ کوئی نماز پڑھی، نہ روزہ رکھا، نہ زکوٰۃ دی، نہ قربانی دی، نہ حج کیا، نہ کوئی عمرہ کیا، وہ جنت میں چلا گیا۔ فرمایا: اس کو دیکھ لو۔ دس منٹ میں ہی کام پورا ہو گیا۔ راستہ یہ ہے۔ جب نیت کر لی تو راستہ دس منٹ میں طے ہو گیا۔ کوئی کام نہیں کیا۔ دس منٹ میں ہی اپنی منزل پا گئے۔ اللہ کے پاس جنت میں داخل ہو گئے۔

نیت صحیح کر لیں، کوئی پتا نہیں کس وقت آ جائے۔ اللہ نے بھی کہا ہے کہ توبہ جب تک آخری وقت نہ آ جائے، فرشتے نظر نہ آنے لگ جائیں، جنت دوزخ نظر نہ آنے لگ جائے، اس وقت سے پہلے جب بھی میرا بندہ توبہ کرے گا، میرا در کھلا ہو گا۔ میں سارے گناہ یکسر معاف کر دوں گا۔ کیسی ہے اللہ کی رحمت۔ بندے کو تو نہیں پتا۔ اللہ سب جانتا ہے۔

کئی بندے ایسے تھے جو بالکل زندگی کے آخری دور میں آ کے بدلے۔ جتنا وقت تھا جئے۔ خاتمہ بالا یمان ہو گیا۔اللہ کہتا ہے کہ توبہ کرو، میں سارے اگلے پچھلے معاف کر دوں گا۔

ہمارے باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) کہتے تھے کہ جب کوئی انسان توبہ کرے، جب بھی توبہ کرو تو پھر دماغ سے بھول جاؤ کہ میں نے گناہ کیا ہے۔ یقین کرلو کہ معاف ہو گئے۔پرانی کاپیاں اُنہوں نے پھاڑ دی ہیں۔نئی کاپی دے دی ہے۔ یہ کوری کاپی ہے،اب اس کا دھیان رکھنا۔حج کر کے آئے تو حکم ہے کہ سارے معاف ہو گئے اب حج کو سنبھال کے رکھنا۔نئی کاپی مل گئی ہے،اس کو سنبھال کے رکھو۔اب اس کو داغدار نہیں ہونے دینا۔یہ نہ ہو کہ پھر وہی کام شروع ہو جائے۔اس کو سنبھال کے رکھے۔اب دوبارہ وہ نہ کرے۔موت کا کیا پتا کہ کب آ جائے۔باباجیؒ کہتے تھے کہ بالکل اس کو بھول جانا چاہئے پھر خیال رکھو۔

ایک روایت مشہور ہے کہ ایک آدمی نے ننانوے قتل کئے تھے۔وہ مولوی کے پاس گیا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں،میری بخشش ہو سکتی ہے؟ کہنے لگا: ننانوے قتل۔توبہ توبہ اب تو تیرا کوئی چانس نہیں۔اس کو بڑی مایوسی ہوئی کہ میں تو توبہ کرنے نکلا تھا، مجھے راستہ نہیں پتا۔اس نے اسے بھی قتل کر دیا کہ چلو Century پوری کر لیتے ہیں۔بڑا پوچھا کہ اب کیا ہو سکتا ہے؟ کسی نے بتایا کہ کسی اللہ والے کے پاس جاؤ جو حضورﷺ کی دعوت کا پیغام دینے والا ہو۔اس کے پاس جاؤ۔اسے نام اور پتا بتایا گیا کہ فلاں جگہ ہے۔یہ چل پڑا۔اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ راستے میں ہی اس کی موت کا وقت ہو گیا۔موت ہو گئی۔فرشتے آ گئے۔دوزخ والے بھی آ گئے اور جنت والے بھی آ گئے۔وہ کہیں کہ ہمارا بندہ ہے،نیکی کی طرف جا رہا تھا، وہ کہیں کہ کام اچھا کوئی نہیں کیا یہ اُدھر نہیں جا سکتا۔انہیں کہا گیا کہ تم زمین ناپو۔

جس طرف جانا تھا، اس کی سرحد میں چلا گیا ہے یا اِدھر ہے۔ زمین ناپی گئی تو اُدھر ہی چلا گیا تھا فرمایا: ٹھیک ہے۔ اس کو جنت میں جانے دو۔ اس کی نیک نیتی اس جگہ پر پہنچ گئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری نیتوں کو دیکھتا ہے۔ یہ ٹھیک ہو جائیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ سارے معاف کر دیتا ہے۔ اسی لئے باباجیؒ کہتے کہ توبہ کر لی تو بھول جاؤ کہ تم نے کئے، وہ یاد رکھنا کہ میں پھر بھی گنہگار ہوں، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ توبہ کر لی، مرشد کے ہاتھ پہ بیعت کر لی۔ سب سے پہلا قدم جب کسی پیر فقیر کے پاس جاؤ تو توبہ کا ہوتا ہے۔ ہمارے باباجیؒ بھی کہتے تھے کہ پہلے اس کو دو نفل توبہ کے پڑھاؤ پھر بیعت کراؤ۔ اللہ میاں مجھے معاف کر دے، اب میں ٹھیک چلوں گا۔ پھر بھول جاؤ کہ میں نے کئے ہیں۔ باباجیؒ کہتے کہ کیوں نہیں مانتے؟ اللہ کہتا ہے کہ میں نے معاف کر دیئے۔ حضورﷺ فرماتے ہیں کہ ایسے ہے جیسے ماں کے پیٹ سے آج پیدا ہوا ہے۔ نہ اللہ کی مانتے ہو، نہ رسولﷺ کی مانتے ہو۔ مانو۔ جب وہ کہہ رہے ہیں نہیں کیا ہے تو بھول جاؤ کہ میں نے کئے تھے۔ یاد رکھو کہ اب یہ اللہ کا راستہ ہے۔ اس پر ایسے چلنا ہے۔ کون سا مشکل کام ہے۔ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، اور مخلوق خدا سے اچھا سلوک کرو، سختی نہ کرو۔ کسی سے چھینے والے نہ بنو، کچھ دیا کرو، دینے والے بنو۔

اشفاق احمد زاویہ پروگرام لکھا کرتا تھا، فوت ہو گیا۔ اس کی کتابیں آگئی ہیں۔ زاویے۔ اس کا بابا تھا۔ شاید اس کا نام نور والا تھا۔ اشفاق احمد کہتا ہے کہ میرے نور والا گوجرانوالہ میں کسی بندے کو ملنے جایا کرتے تھے۔ میری پرانی سی گاڑی تھی، میں انہیں لے جایا کرتا تھا۔ گوجرانوالہ گئے۔ ان کو ملے۔ جب واپس آنے لگے تو گاڑی میں بیٹھے تھے۔ ایک فقیر مانگنے والا آ گیا کہ سائیں مجھے کچھ دے دو۔ وہ بھلا زمانہ تھا۔ روپے کے آنے، پیسے ہوا کرتے تھے۔ ٹکا، پیسہ دیتے تھے۔ نور والا نے اسے روپے کا نوٹ دے دیا۔ اس وقت

روپیہ کون دیتا تھا۔مزدور کی دیہاڑی دو روپے ہوتی تھی۔ کہنے لگے سائیں سچی بتاؤ کہ آج کتنے پیسے کمائے ہیں؟ اس نے کہا کہ دس،بیس روپے کمائے ہیں۔نوروالا اس فقیر سے کہنے لگے کہ اللہ کے نام پر کمائے ہیں ناں؟ کہتے کہ اللہ کا واسطہ دیتے ہو ناں کہ اللہ کے واسطے دو۔ وہ فقیر کہنے لگا کہ ہاں۔ اسے انہوں نے کہا کہ آج تیری آمدن ٹھیک ٹھاک ہوئی ہے۔مزدور تو سارا دن کسّی پر کام کر کے بھی دو روپے کماتا ہے،تو نے دس روپے کمائے ہیں۔تو بھی اس میں سے اللہ کے نام پر کچھ دے دے۔اللہ کے نام پر کمائے ہیں تو تم بھی اس میں سے اللہ کے نام پر کچھ دے دو۔اس نے تو ساری عمر یہ نہیں کیا تھا۔مولوی، پیر،فقیر سارے لینے والے یار ہیں اللہ کے راستے میں کچھ دیا نہیں ہوتا۔وہ سوچ میں پڑ گیا کہ مجھے یہ بابا کس رستے لگا رہا ہے؟ اس سے کہا کہ دے دو۔تم نے خدا کے نام پر مانگے ہیں۔کتنے سارے پیسے ہیں۔تم سے اور کئی غریب ہیں۔کسی کو دے دو۔بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ساتھ جلیبیوں کی دکان تھی۔دو روپے کی جلیبیاں لیں،ان کے پوڑے بنوائے،مزدور جا رہے تھے کہ ان کے پاس گیا کہ میں آج یہ تقسیم کر رہا ہوں،تم بچوں کے لئے لے جاؤ۔وہ لے گئے۔وہ فقیر پھر پریشان ہو گیا کہ آج میں کون سی حرکت کر بیٹھا ہوں۔بابا نے اس سے کہا کہ ادھر آ۔تم سر ڈال کے کیوں بیٹھے ہو؟تم تو ساری عمر مانگتے تھے،کبھی کسی کو پیسہ دیا نہیں تھا،ہمیشہ سے منگتے تھے،آج میں نے تمہیں داتا بنا دیا ہے۔آج میں نے تمہیں دینے والوں میں سے بنا دیا ہے۔تم سر اٹھا کے رکھو۔ خدا کے واسطے سے تم نے پیسہ لیا تھا،اس کے دیے میں سے تم نے دیے اور تم دینے والے بن گئے ہو۔آج تمہیں منگتے سے داتا بنا دیا ہے۔سر اٹھا کے چلو۔مطلب یہ کہ دینے والے بن جائیں۔اللہ نے تھوڑا دیا ہے تو تھوڑا خرچ کرو۔زیادہ ہے تو زیادہ خرچ کرو۔دیتے رہو۔

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ. (سورۃ البقرہ۲۔آیت۳)

دینے والوں میں نام رہنا چاہئے۔چلوتھوڑا ہی دیا،سوروپے میں سے دو روپے ہی
دے دیے۔پانچ،دس روپےتو کسی غریب،بیوہ کے ہاتھ پر رکھ سکتے ہو کہ باجی لو،یہ لو۔بچوں
کے لئے کوئی چیز لے جانا،تو اس میں بھی نام رہے گا۔اللہ پیسے نہیں گنتا۔وہ دل میں جو پیار
ہے اس کو دیکھتا ہے۔میرے ساتھ محبت کتنی ہے مخلوق کے ساتھ پیار کتنا ہے؟

یہ اللہ اللہ کرتے رہیں تو دل بھی نرم رہے گا۔ساری نیک روحیں بھی ساتھ رہیں
گی۔اللہ کا سلام،پیار بھی رہے گا۔اللہ صلوٰۃ والسلام بھیجنے کا بھی کہتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلَائِکَتُہٗ (سورۃ الاحزاب ۳۳۔آیت ۴۳)

اللہ کہتا ہے کہ تم پر بھی میں صلوٰۃ والسلام بھیجتا ہوں۔

یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلَائِکَتُہٗ لِیُخْرِجَکُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ

(سورۃ الاحزاب ۳۳۔آیت ۴۳)

سورۃ الاحزاب میں ہی یہ آتا ہے کہ کثرت سے ذکر کرو،میں بڑا مہربان ہوں۔
تم پر میں اور فرشتے درود بھیجتے ہیں تا کہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لے
جائیں،تو وہ ہمیشہ ساتھ بھی دیتے ہیں۔یہ کرو بس۔Practical چیز ہے۔عملی چیز ہے۔

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (سورۃ البقرہ ۲۔آیت ۱۵۲)

مجھے یاد کرو،میں بھی یاد کروں گا۔

تم ایک دفعہ یاد کرو،میں دس دفعہ یاد کروں گا۔تعلق ہے۔یہ تعلق ہی مرشد
رب سے جوڑ دیتا ہے۔کرنا آپ نے خود ہی ہے۔وہ بتادے کہ آپ نے کیا کرنا ہے۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من مرے وچ لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہو

وہ بتا دیتا ہے کہ یہ نفی اثبات کا ذکر کرو۔ وہ کہتا ہے کہ بیٹا! یہ پودا جو تمہیں دے دیا ہے ناں، بڑا مہنگا پودا ہے۔ اس پر خوشبو دار پھول لگتے ہیں۔ اس کو سنبھال کے رکھنا۔ روز اسے نفی اثبات کا پانی ڈالنا ہے۔

لا الہ الا اللہ۔ لا الہ الا اللہ۔

اسے روز نفی اثبات کا پانی دینا ہے۔

نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہُو

اندر بوٹی مُشک مچایا جاں پھُلن تے آئی ہُو

اس پر اللہ کی محبت کے پھول لگے، روح مست ہو گئی۔

جیوے مرشد کامل باہو، جیں ایہہ بُوٹی لائی ہو

جس سوہنے مرشد نے یہ بوٹی لگائی، اللہ اسے سلامت رکھے۔ ہمیں یہ تحفہ دے گیا۔ تو یہی ایک بات ہے۔ تھوڑی سی محنت ہے، کرتے رہو۔ ہر کام میں برکت ہو جاتی ہے۔ نام برکت والا ہے ناں۔ ثنا پڑھتے ہیں کہ

سبحانک اللھم و بحمدک و تبارک السمک۔

تیرا نام ہی برکت والا ہے۔ نام برکت والا ہے۔ جہاں بھی پڑھیں گے برکت ہو گی یہ دل میں بسے گا، دل میں برکت ہو گی۔ دماغ میں جائے گا، جس گھر میں جائے گا، وہاں برکت ہو گی۔ اس کو پڑھتے ہوئے آپ فصل بوئیں گے تو اس میں بھی برکت ہو گی۔ برکت والا نام ہے۔ اسے کرو۔ ہر جگہ برکت ہو گی۔ ان شاء اللہ۔

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے علم وعرفان اور بصیرت کا مقام ومرتبہ

(عبدالقیوم ہاشمی)

سورۃ اعراف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّکَ مِن بَنِيْ آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتَ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِيْنَ. أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّن بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ. وَكَذَلِکَ نُفَصِّلُ الآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ.

ترجمہ: آیات 172 تا 174 ”اور اے نبی ﷺ! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے ربّ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انھیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا: ”کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟“ (سب بولے) یقیناً آپ ہی ہمارے ربّ ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں“ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ”ہم تو اس بات سے بے خبر تھے یا یہ کہنے لگو کہ ”شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد میں ان کی نسل سے پیدا ہوئے۔ پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا۔“ دیکھو! اس طرح ہم نشانیاں واضح کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ پلٹ آئیں“۔

ان آیات سے واضح ہے کہ روزِ الست تمام انسانی ارواح نے اللہ ربّ العالمین کو اپنا ربّ تسلیم کیا اور تمام ارواح نے اس پہ گواہی بھی دے دی۔ اور یہ دنیا کا بھی دستور ہے کہ گواہی صرف عاقل اور باشعور شخص کی ہی قبول کی جاتی ہے۔ ہماری عدالتوں میں بھی گواہی

سے پہلے یہ جملہ ضرور بولا جاتا ہے کہ میں فلاں بن فلاں بقائمی ہوش وحواس گواہی دیتا ہوں۔ بعینہٖ تمام ارواح انسانی نے یہ گواہی عہدِ الست کی صورت میں پورے شعور اور سوچ سمجھ کر "قالو بلیٰ اور شهد نا" یعنی عہدالست کیا اور اس پر خود گواہی دی۔ گواہی دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو عہد کیا ہے اس کو نبھانے کی پوری ذمہ داری قبول کرنا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عالم ارواح میں ارواح انسانی لشکر کی شکل میں رہتی ہیں۔ چنانچہ جن ارواح میں وہاں اُنس و محبت ہو دنیا میں بھی ان کے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس دور کا ہر مسلمان انبیا کرام، صالحین اور مومنین سے محبت رکھتا ہے۔ اس کے لیے زمانے کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔

جتنے بھی دنیا کے علوم ہیں وہ انسان کو اس دنیا کی زندگی کے متعلق رہنمائی اور مدد دینے کے لیے محدود ہیں جبکہ قرآن کریم اور انبیاء کرام کی تعلیم نہ صرف اس دنیا بلکہ ہمارے روحانی وجود سے لے کر روز آخرت تک کی مکمل تعلیم اور ہدایت فراہم کرتی ہیں یہ ایک بہت بڑا فرق ہے۔

قرآن وسنت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہدالست کے بعد تمام ارواح کو سلا دیا گیا تھا یعنی (Freezing point) میں چلی گئی تھیں۔ اس عرصہ کو بھی قرآن موت سے تشبیہ دیتا ہے اور کفار روز آخرت خود اس حقیقت کو تسلیم کر رہے ہیں سورۃ زمر آیت نمبر 11 ترجمہ: وہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے واقعی ہمیں دو دفعہ موت اور دو دفعہ زندگی دے دی۔ اب ہم اپنے قصوروں کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے؟

اب میں انسانی ارواح کا عالم ارواح یعنی عالم امر سے اس دنیا اور اس دنیا سے واپسی یعنی برزخ کے سفر کا وہ حصہ بیان کرتا ہوں جو بانی سلسلہؒ نے ہمیں سمجھانے کے لیے

تحریر فرمایا ہے۔اور اس کو سمجھنے سے ہی آپؒ کے علم وعرفان، روحانی بصیرت اور مشاہدہ کی عظمت وسربلندی کا کچھ اندازہ ہو پائے گا۔ چنانچہ آپؒ ''تعمیر ملت'' صفحہ 190,191 میں ''عالم روحانی'' کے باب میں لکھتے ہیں ''عرش کے بعد اور اس کے ارد گرد روحِ بسیط ہے جو مخزن ہے اِن تمام ارواحِ مجردہ کا جو خالق حقیقی نے روزِ اوّل محض اپنے حکم سے پیدا کردی تھیں۔ اِن ارواح مجردہ میں کوئی صفت سوائے محبت اور عبودیت کے نہیں ہوتی۔ لیکن استعداد دوسرے خواص کو جذب کرنے کی موجود ہوتی ہے۔ مثال روحِ بسیط کی سمندر کو سمجھو، سمندر کیا ہے؟ پانی ہے بسیط شکل میں، دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سمندر مجموعہ ہے پانی کے بے شمار ایٹموں کا، جب سورج اُس پر نظر ڈالتا ہے تو اِس کے تارہائے نظر یعنی کرنوں سے اِن ایٹموں میں زندگی یعنی حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ایک تار یا شعاع کی شکل میں آسمان کی طرف صعود کرتے ہیں۔

یہ پانی کے بخارات مختلف پہاڑوں پر برف کی شکل میں منجمد حالت میں عرصہ دراز تک پڑے رہتے ہیں۔ یہ وہی پانی کی حالت ہے جو ارواح کو سلا دینے والی حدیث میں بیان ہوئی۔ جو عہد الست کے بعد انسانی ارواح کو نیند یا پہلی موت سے قرآن تشبیہ دیتا ہے۔ لہٰذا جس طرح منجمد پانی پگھل کر قطرے کی شکل میں سمندر کیطرف دوڑتا ہے اسی طرح ہر روح اپنے مقررہ وقت پر عالم ارواح سے دنیا کی طرف رواں ہو جاتی ہے۔

یہ منجمد پانی کے قطرے مختلف پہاڑوں کے خواص یعنی ان کے منرلز، پوٹاشیم، کیلشیم، نمکیات وغیرہ کو اپنے اندر جذب کر کے سمندر کی طرف رواں ہو جاتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا اس میں سے کچھ پانی جس کو صراطِ مستقیم مل جاتی ہے دریاؤں کے وسیلے بہت جلد سمندر میں جا ملتا ہے۔ کچھ پانی جھیلوں، کنوؤں وغیرہ میں قید ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے یہ پانی ہزارہا سال

سرگرداں رہنے کے بعد اپنی اصل (یعنی سمندر) سے جا ملے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قیامت تک نہ پہنچ پائے''۔

جس طرح سمندر سے سمندر تک کا پورا Cycle سمجھ میں آ جاتا ہے بالکل ایسے ہی ارواح انسانی عالم ارواح سے اس دنیا اور اس دنیا سے موت کے بعد واپسی کے سفر کی مثال ہے اسی لیے جب کوئی شخص اس دنیا سے روانہ ہوتا ہے تو ہمیں یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ انا للّٰہ وا نا الیہ راجعون پڑھیں یعنی ہم اللہ کی مِلک ہیں اور اسی کی طرف پلٹ جانا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اس انسانی سفر کو قطرہ نیساں اور صدف، سیپی، گوہر سے تشبیہ دی ہے۔

زندگانی ہے صدف قطرہ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

یعنی ہر انسان کی آخری منزلِ مقصود اللہ کا قرب اور عرش عظیم کی طرف سفر کرنا ہے۔

ہمسایہ جبریل امیں بندہ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

آگے چل کر آپؒ فرماتے ہیں ''بعینہٖ یہی حال ارواح مجردہ کا ہے۔ ہر روح ایک ایٹم کی طرح روح بسیط میں موجود ہے۔ آفتاب حقیقی جب کسی روح کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اپنی نظر حیات افروز اس پر ڈالتا ہے جس کے اثر سے یہ روحانی ایٹم لمبا ہو کر بشکل شعاع عالم مادّی کی طرف نزول کرنے لگتا ہے، لیکن برخلاف پانی کے اس روحانی ایٹم کا ایک سرا روح بسیط میں اپنی جگہ پر ہی قائم رہتا ہے۔ روح بسیط سے گزر کر یہ شعاع عقل بسیط میں داخل ہوتی ہے اور بقدرِ استعداد عقل کو جذب کرتی ہوئی نفس بسیط میں پہنچتی ہے اور نفس سے جو حصہ مقدر ہوتا ہے لے لیتی ہے، مطلب یہ ہے کہ یہاں اِس میں نفس پیدا ہو جاتا ہے۔

(نفس کیا ہے؟ خواہش مجرد) اب یہ عدمِ بسیط میں پہنچتی ہے۔چونکہ قانونِ آفرینش کے مطابق کوئی ہستی اس وقت تک مشخص نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ اپنی ضد کے مقابل نہ آئے، اس لیے عدم میں پہنچتے ہی اس کو اپنے وجود کا عرفان ہو جاتا ہے، گو یہ عرفان ابھی بہت ضعیف ہوتا ہے اسی کو اَنا کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح روح، عقل اور نفس کے لطائف میں سے گزرتے ہوئے بقدرِ استعداد عقل اور نفس کے خواص کو اپنے ساتھ ملا لیتی ہے، اسی طرح عدم میں سے گزرتے ہوئے تخریب وفنا کے تاثرات اور خواص کو بھی ساتھ لے لیتی ہے ،اگر ایسا نہ ہوتا تو جو چیز اس مادّی عالم میں ایک دفعہ پیدا ہو جاتی پھر کبھی فنا نہ ہوسکتی۔عدم کے آخری کنارے پر عالمِ امر ختم ہو جاتا ہے، گویا اب تک اس کا وجود محض اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ میں مستور رہتا ہے،اب یہ شعاع ''ھو'' میں داخل ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہر روح میں مبداء سے معاد تک اس کا پورا مقدّر اس طرح پنہاں ہوتا ہے جس طرح بڑ کے رائی برابر بیج میں اُس سے پیدا ہونے والے تناور درخت کی پوری زندگی۔ اب لامحالہ یہ روح یا تو دوزخی ہوگی یا جنّتی ، اگر دوزخی ہے تو عالمِ ناسوت کے کسی طبقے میں اس کے لیے کوئی خاص مقام مقرّر ہوتا ہے جہاں مادّی سفر کے بعد اس کو قیامت تک ٹھہرنا ہے۔اگر جنّتی ہے تو پھر جنّت کے عوالم میں سے کسی عالم اور طبقے میں کوئی خاص جنّت اُس کے لیے ہوتی ہے،اسی جنّت کو اس روح کا مقامِ محمود کہتے ہیں۔

الغرض! عَالمِ امر کے ختم ہونے پر یہ روح عالمِ مثال کے مبیّنہ عوالم میں سے گزرتی ہوئی اپنے مقامِ محمود (یا دوزخی ہو تو عالمِ ناسوت میں اپنے مقامِ معاد) تک پہنچ جاتی ہے، یہاں وہ قدرے قیام کرتی ہے تاکہ اس مقام سے روشناس ہو جائے۔حقیقتاً اسی مقام پر اس

کو وہ وجود عطا ہوتا ہے جس کو بجا طور پر روحانی وجود کہا جا سکتا ہے۔ اب مقامِ محمود سے روانہ ہو کر باقی عوالم کو طے کرتی اور عالمِ ناسوت سے گزرتی ہوئی یہ ایتھر میں داخل ہوتی ہے جو مادّے کی سب سے لطیف اور آخری حد ہے۔ ایتھر سے یہ حواس پنجگانہ اور دیگر مادّی خواص وقوئی کو بقدرِ استعداد اخذ کرتی ہوئی کسی نظامِ شمسی کے آفتاب میں جاتی ہے، اور اس سے جان یا روح حیوانی کی حرارت حاصل کر کے اس کُرّے میں پہنچ جاتی ہے جہاں اس کو پیدا ہونا ہے اب وہ بہ انتظام قضاء وقدر کسی کھانے پینے کی چیز مثلاً پھل، غلّہ وغیرہ میں داخل ہو جاتی ہے اور وہ چیز اُس شخص کو کھلائی جاتی ہے جو اس کا باپ بننے والا ہے۔ صلبِ پدر سے یہ رحمِ مادر میں منتقل ہوتی ہے، نوماہ وہاں مادّی تعمیر میں بسر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انسان بن کر عالمِ مادّی میں پیکرِ مادّی پہن کر جلوہ افروز ہو جاتی ہے۔ اب جتنی اور جیسی زندگی مقدر ہو بسر کر کے عالمِ مثال میں اپنے مقامِ معاد یا مقامِ محمود کو واپس چلی جاتی ہے اور یوم الحساب تک وہیں مقیم رہتی ہے۔ اس کے بعد جو مالکِ یوم الدّین چاہے گا اس کے ساتھ کرے گا، یہاں یہ بات خاص طور پر غور کرنے کی ہے کہ روحِ بسیط میں اپنے پہلے سرے سے چل کر یہ شعاع کس طرح درجہ بدرجہ لطیف سے کثیف تر ہوتی نطفہ تک پہنچتی ہے، نطفہ کیا ہے؟ وہ جرثومہ یا زندہ مادّی اجسام کی وہ سب سے پہلی اور لطیف ترین یونٹ جو خوردبین سے بھی بمشکل نظر آتا ہے۔ یہی جرثومہ مادہ کے پیٹ میں اپنی غذا حاصل کر کے درجہ بدرجہ کثیف ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ مکمل ہو کر شکمِ مادر سے باہر نکل آتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کا جنت اور جہنم میں ٹھکانہ لکھ دیا گیا ہے۔

جس طرح ایک بیج میں درخت بننے اور اس کا پورا Life Cycle اس بیج میں

درج ہے یعنی اس کے پھل پھول پتے اور تنے کی تمام تفصیل بیج میں رکھ دی گئی ہے بالکل اسی طرح انسان کی روحانی اور جسمانی ساخت جرثومے کے اندر ہی درج کر دی گئی ہے۔ جسے ہم ڈی این اے کہتے ہیں۔

بانی سلسلہؒ نے فرمایا یہ تو روح کا سفر مادّی دنیا کی طرف ہے اب روح کا سفر آخرت کی طرف یا واپسی کا سفر کس طرح ہوتا ہے۔ جس طرح سمندر کا پانی پہاڑوں سے اتر کر مختلف منرلز اور Impurities کے ساتھ سمندر کی طرف سفر کرتا ہے۔ ایک روحانی سالک اور مرنے والا شخص اسی طرح صعودی ترتیب سے واپسی کا سفر کرتا ہے۔

آپؒ نے فرمایا نبی کریم ﷺ نے سلوک طے کرنے کے یہ طریقے بتائے۔

۱: چوبیس گھنٹے چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے بلکہ سوتے ہوئے بھی اللہ کو یاد کرنا۔

۲: پنج وقتہ نماز حضوری قلب کے ساتھ۔

۳: تلاوت قرآن

۴: نوافل تہجد

۵: تزکیہ اخلاق

گویا روح انسانی کی impurities (برے اخلاق) دور کرنے اور اس میں قوت پرواز پیدا کرنے کے یہ وہ طریقے ہیں جس سے روح انسانی یا بندہ مومن اپنا مقام محمود اس دنیا میں رہ کر حاصل کر سکتا ہے۔ یعنی ایسی انسانی روح تزکیہ کے ذریعے اللہ کی محبت اور قرب ولقاء کا سفر طے کرتی ہے مادی عالم سے اوپر عالم ناسوت، عالم ملکوت، عالم جبروت، عالم لاہوت، عالم ہاہوت، عالم ہو کو طے کرتی ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں عالم ہو ایک نور کا سا میدان ہے جہاں تجلیات الٰہی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے اور ان تجلیات ہی میں ہر قسم کی لذتیں اور کوائف موجود ہیں۔ عالم ہو ان بزرگوں کی روحوں کا مسکن ہے جنھوں نے قرآنی آیت وتبتل الیہ تبتیلا پر عمل کامل کیا اور حقیقی معنوں میں دنیا کی ہر چیز سے تعلق قلبی قطع کر کے صرف اللہ کے ہو گئے۔ جس طرح انسانی روح عقل، نفس، محبت، رحم جیسی صفات کے خواص عالم امر سے جذب کرتی ہے اسی طرح ناسوتی اور مادّی دنیا سے غصہ، نفرت، حسد کینہ جیسی بری صفات یا خواص بھی جذب کرتی ہے۔ اس لیے اللہ کی طرف جانے کے لیے ان رذائل سے چھٹکارا پانا لازمی ہے۔ قبلہ انصاری صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے بزرگ عالم جبروت میں دیکھے ہیں جو صرف غصہ کی نفی نہ کر سکنے کی وجہ سے آگے ترقی نہ کر سکے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کی یاد کے ساتھ ساتھ تزکیہ اخلاق میں بہتری پیدا کریں۔ اب ہمیں چاہیے کہ ہم قبلہ انصاری صاحبؒ کی ان بصیرت افروز تعلیمات سے کما حقہ استفادہ کرتے ہوئے اللہ کے مقرب اور محبوب بندوں میں شامل ہو جائیں۔ اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العلمین۔

زندگی کا حاصل،قرآن سے تعلق

(پیر خان توحیدی)

قرآن وہ عظیم کتاب ہے جو ہر حیثیت سے کامل اور مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے موضوع پر جامع مستند اور حرف آخر ہے ۔ روئے زمین پر یہی ایک کتاب ہے جسے حقیقت میں کتاب کہا جاسکتا ہے ۔ آپ دنیا کی کوئی کتاب پڑھیں کسی فن کا مطالعہ کریں، آپ کی معلومات میں یقیناً کچھ اضافہ ہوگا کچھ نئے اصول وضوابط حاصل ہونگے کچھ ذہنی اور دماغی صلاحیتوں میں اضافہ ہوگا لیکن آپ کا دل بدل جائے ،آپ کی شخصیت بدل جائے یا آپ کی زندگی کا رُخ بدل جائے ،یہ کام دنیا کی کوئی کتاب نہیں کرسکتی ۔ یہ کمال اگر حاصل ہے تو صرف قرآن کو حاصل ہے ۔ آپ طالب علم ہوں ،اُستاد ہوں ،شاعر ہوں ،مفکر یا سائنسدان ہوں عالم ہوں یا صوفی کچھ بھی ہوں اگر آپ نے قرآن حکیم نہیں پڑھا تو یقین کریں کہ آپ علم سے محروم ہیں ۔ چونکہ علم کا سرچشمہ قرآن ہی ہے،اس لئے وہ شخص علم سے محروم ہے جو قرآن سے محروم ہے ۔قرآن ہی سے حقیقت کا سراغ ملتا ہے اور قرآن ہی علم کی پیاس بجھا سکتا ہے ۔وہ شخص خوش نصیب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا شغف بخشا اسے پڑھنے سننے اور اس میں غور کرنے کا موقع عنایت فرمایا اور توفیق بخشی کہ اس کی روشنی میں اپنی شخصی ، خاندانی ،سماجی اور ملکی زندگی کی تعمیر کرے جسے اللہ تعالیٰ نے سوجھ بوجھ عطا فرمائی

پڑھنے لکھنے کا موقع دیا لیکن پھر بھی وہ قرآن کے علم سے محروم ہے تو یہ اس کی اپنی بدنصیبی ہے۔

دراصل زندگی کے بناؤ یا سنوار اور بگاڑ کا دارومدار دل پر ہے۔دل اگر صحت مند ہے تو پوری زندگی صحت مند ہے۔ دل اگر مریض ہے تو پوری زندگی مرض کا شکار ہے۔ دل ہی جذبات کی آماجگاہ اور ارادوں کا مخزن ہے اور ہر فیصلہ دل کی دنیا ہی میں ہوتا ہے۔قرآن براہ راست دل کو چھوتا ہے اور دل پر اثر انداز ہوتا ہے، دل کی آنکھیں روشن کرتا ہے۔اور دل کی دنیا میں انقلاب برپا کرتا ہے اور انسان کے اندرون کو بدل کر اس پر اپنی عظمت اور ہیبت کا ایسا سکہ جماتا ہے کہ تلاوت کے وقت دل لرزنے لگتا ہے اور آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور آدمی پر ایک بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔دنیا کی چند لمحوں کی زندگی ایک بار اگر چھن جائے تو پھر کبھی نہیں ملتی۔اس مختصر وقفہ میں سچے موتی حاصل کرنے کی بجائے بے قیمت سنگریزوں کے بٹورنے میں اور ان سے کھیلنے میں وقت ضائع کرنا سخت نادانی نہیں تو اور کیا ہے!۔

اگر اب تک آپ نے اس عجیب وغریب انقلابی کتاب کے ساتھ تعلق نہیں جوڑا تو مزید دیر نہ کریں، اگلے لمحہ کی کچھ خبر نہیں ابھی سے طے کرلیں کہ یہ کتاب آپ نے پڑھنی ہے بلکہ پڑھنے کا حق ادا کرنا ہے تو یکسوئی کے ساتھ اس کی تلاوت میں لگ جایئے۔پھر دیکھیں یہ آپ کی روح کو گرمائے گی آپ کے ضمیر کو جھنجھوڑے گی اور آپ کے دل میں یہ بات بھی اتار دے گی کہ آپ کیا ہیں؟ آپ کا آغاز کیا ہے آپ کا انجام کیا ہے۔آپ دنیا میں کس مقصد کیلئے آئے ہیں۔یہ دنیا کیا ہے؟ اس کا بنانے والا کون ہے؟ آپ کا اس سے کیا تعلق ہے۔آپ کی حقیقی منزل کیا ہے اور آپ اپنی منزل پر کامیابی کے ساتھ کیسے پہنچ سکتے ہیں؟قرآن پاک نہ صرف رہنمائی اور تعلیم کا فریضہ انجام دیتا ہے بلکہ اپنی تعلیم اور رہنمائی پر

کاربند ہونے کی داخلی قوت، عزم، حوصلہ اور جذبہ بھی فراہم کرتا ہے۔ یہ خوبی قرآن کے علاوہ دنیا کی کسی کتاب کو حاصل نہیں۔

یاد رکھیں! قرآن سے کچھ لینے کے لئے اپنے آپ کو اس کا مستحق بنانا ہوگا اس کی تلاوت کا حق ادا کرنا ہوگا۔ اگر آپ اس کی تلاوت لاپرواہی اور جذبہ اطاعت کے بغیر کسی اور مقصد کیلئے کرتے رہے تو آپ گھاٹے میں رہیں گے اور ہدایت کی عظیم دولت سے محروم رہیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ میں قرآن دے دیا ہے تو یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر بہت مہربان ہے کہ اس نے اپنی سب سے بڑی نعمت جس کا بوجھ کائنات کی کوئی بڑی سے بڑی مخلوق بھی برداشت نہ کر سکی آپ کو عطا کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر ہم نے قرآن کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا تو وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا (الحشر)

قرآن پاک سے جن لوگوں نے اپنی زندگیوں کو سنوارا، اس کی تلاوت کا حق ادا کیا ان کے دلکش کردار کی ایمان افروز جھلکیاں قرآن میں جگہ جگہ پیش کی گئی ہیں (سورہ زمر 23)۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی اچھی تعلیمات والی کتاب نازل فرمائی ہے جس کی آیتیں باہم ملتی جلتی ہیں اور مضامین بار بار دہرائے جاتے ہیں کہ دل میں بیٹھ جائیں۔ اپنے پروردگار سے ڈرنے والے اسے پڑھتے ہیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں دل پگھل کر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں (سورہ انفال 3)۔ سچے اہل ایمان تو وہ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

علامہ اقبالؒ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "میری کالج کی تعلیم کا ابتدائی زمانہ تھا اور میرا معمول تھا فجر کی نماز کے بعد تلاوت کرنا ۔والد صاحب مجھے تلاوت کرتے دیکھ کر اپنے کمرے میں چلے جاتے ۔ایک روز میرے پاس آ کر بیٹھ گئے اور پوچھا تم کیا پڑھا کرتے ہو مجھے ان کے سوال پر تعجب ہی نہیں ملال بھی ہوا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہوں ۔ بہر حال میں نے مؤدبانہ عرض کی کہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہوں فرمانے لگے جو کچھ تم پڑھتے ہو سمجھتے بھی ہو! میں نے کہا کیوں نہیں تھوڑی بہت عربی جانتا ہوں کچھ نہ کچھ سمجھ لیتا ہوں ۔میرا جواب سن کر وہ خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے ۔ میں حیران تھا کہ ان کے سوال کا مطلب کیا ہے ۔اس واقعہ کے تقریباً چھ سات روز بعد میں تلاوت سے فارغ ہوا تو والد صاحب نے مجھے بلایا اور نرمی سے بولے بیٹا قرآن کو وہی سمجھ سکتا ہے جس پر اس کا نزول ہو ۔میں نے دل میں خیال کیا کہ قرآن تو نبی کریم ﷺ پر ایک بار نازل ہو چکا ہے اب کیسے نازل ہو سکتا ہے وہ میرے دل کی بات سمجھ گئے کہنے لگے تمہیں یہ خیال کیسے گزرا کہ قرآن اب کسی پر نازل نہیں ہو سکتا کیوں نہ تم اس طرح تلاوت کرو کہ جیسے یہ تم پر نازل ہو رہا ہے ۔ایسا کرو گے تو یہ تمہارے رگ و پے میں سرایت کر جائے گا" علامہ اقبالؒ کہتے ہیں اس کے بعد میں نے قرآن کو اسی غور و فکر سے پڑھنا شروع کیا گویا وہ مجھ پر نازل ہو رہا ہے ۔علامہؒ کے قریبی رفقاء کا بیان ہے کہ وہ ہر صبح تلاوت اس قدر درد و محبت اور سوز و گداز سے کرتے کہ آنسوؤں کا تانتا بندھ جاتا یہاں تک کہ قرآن کے اوراق بھیگ جاتے ۔

بانئ سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ بھی اپنے مریدین کو اسی طرح تلاوت کرنے کی تلقین کرتے رہے وہ فرمایا کرتے کہ " اگر ممکن ہو تو فجر کی نماز کے بعد تلاوت کرو اور اگر

ایسا نہ ہو سکے تو پھر جب بھی وقت ملے تو ایک پاؤ سپارے کی تلاوت بہ آواز بلند نہایت خوش الحانی سے کرو۔ معنی اور مطلب کی طرف دھیان نہ دو صرف الفاظ کی ترتیل کا خیال رکھو اور تصور یہ کرو کہ جو آواز تم سن رہے ہو اللہ کی آواز ہے۔ وہ خود اپنا کلام پڑھ رہا ہے اور تم سن رہے ہو۔ جب تلاوت ختم کر لو تو اسی کو دوبارہ معنی اور مطلب سمجھ کر آہستہ آہستہ پڑھو ایک نوٹ بک پاس رکھو جو مفید بات نظر آئے اسے لکھ لو اور اس پر عمل کرو"۔

قرآن ہم سب پڑھتے ہیں مگر کبھی یہ سوچا ہے کہ کیا ہم قرآن کے زیر سایہ زندگی گزارنے پر تیار بھی ہیں۔ جو قرآن کے زیر سایہ زندگی گزارتے ہیں قرآن انہیں لذت قرأت سے بڑھ کر رفعت برکت اور پاکیزگی عطا کرتا ہے۔ یہ قرآن ہی تو ہے جو بندوں کو اللہ سے ہمکلام ہونے کا شرف بخشتا ہے۔ معرفت اور حکمت کے دروازے کھولتا ہے دل کو سکون اور ضمیر کو اطمینان فراہم کرتا ہے اسی لئے علامہ فرماتے ہیں!

آہ کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تو راہرو بھی تو رہبر بھی تو منزل بھی تو
وائے نادانی کہ تو محتاج ساقی ہو گیا
مے بھی تو مینا بھی تو ساقی بھی تو محفل بھی تو

I

دورِ رسالت مآب ﷺ میں ایک مشہور شاعر لبیدؓ بن عامری گزرے ہیں جو عرب شعراء میں انتہائی اونچے مقام کے مالک تھے ایک مرتبہ یہ مشہور شاعر دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو اللہ کا کلام سنایا حضور ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ کا کلام سنا تو آنکھیں بھیگ گئیں قرآن کے پر جوش، سحر انگیز اور انقلابی انداز بیاں نے

اس قدر متاثر کیا کہ بے اختیار پکار اٹھے کہ یہ اللہ ہی کا کلام ہے۔کلامِ الٰہی نے ان کا دل جیت لیا تو اسی وقت اسلام قبول کر کے دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے۔لبید ؓ دربارِ رسالت ﷺ سے رخصت ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یمن کے ایک گوشے میں قیام پذیر ہو گئے۔اور قرآن پاک کی تلاوت کو اپنا محبوب مشغلہ بنا کر دل بستگی کے ساتھ قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔حضور ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں شعرائے اسلام کی طرف توجہ دی گئی اور ان کے کلام کی نقلیں یہ جائزہ لینے کیلئے منگوائی گئیں کہ شعرائے عرب اسلامی تعلیمات سے کس قدر متاثر ہوتے ہیں دوسرے شعراء کے ساتھ ساتھ یہ پیغام لبیدؓ کے پاس بھی پہنچا۔پہلے تو عذر کیا لیکن دوبارہ مطالبہ کرنے پر مجبور ہو گئے تو سورہ بقرہ کی آخری آیتیں امن الرسول سے آخر تک لکھ کر بھیج دیں اور آخر میں لکھا،امیر المومنین!جب سے اللہ کا کلام یاد کیا ہے اپنا کلام بھول گیا ہوں۔یہ ہے قرآن کی عظمت اور یہ ہے

"زندگی کا حاصل قرآن سے تعلق۔"

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے کلام سے تعلق جوڑنے اسے یاد کرنے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین!

فلسفۂ حج

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق)

حج صرف ان لوگوں پر فرض ہے جو حرم تک جانے آنے کے مصارف برداشت کر سکتے ہوں۔اس کے کئی فوائد ہیں:

1- بیت اللہ میں دنیا کے لاکھوں مسلمانوں سے ملنے،ان سے تعلقات پیدا کرنے اور ان کے مسائل کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔

2- مسلمانوں کو کئی چیزوں نے متحد کر رکھا ہے۔مثلاً ایک دین،ایک اللہ،ایک رسول، ایک قبلہ ان میں حج بھی شامل ہے۔یہ مسلمانوں کا سالانہ میلہ ہے۔جہاں لاکھوں انسان جمع ہو کر اللہ کی حمد و ثناء کرتے،قربانیاں دیتے اور اللہ کے گھر کا پروانہ وار طواف کرتے ہیں۔

3- یہی وہ دربار ہے جہاں شاہ و گدا دو ان سلی چادروں میں ملبوس ہو کر ہر سال اس حقیقت کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں کہ اسلام رنگ و نسب کے امتیاز سے پاک ہے اور اسلامی نقطہ نگاہ میں سب انسان برابر ہیں۔

4- انسانیت کے سب سے بڑے محسن انبیاء ہیں پھر اولیاء اور بعد ازاں علما و فلاسفہ۔ انبیاء نے انسانیت کو تباہی سے بچانے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دی تھی۔کوئی آگ میں جلا،کوئی پھانسی چڑھا اور کوئی آرے سے چیرا گیا۔لیکن ان بلند عزم انسانوں کے قدم ایک لمحے کے لئے بھی متزلزل نہ ہوئے ان کی ایمان افروز داستانوں میں سے کچھ اوراق تاریخ میں محفوظ ہیں اور کچھ ارض مقدس میں بکھری پڑی ہیں۔انسان زبانی یا تحریری کہانیوں سے

اتنا متاثر نہیں ہوتا جتنا ان مقامات سے جہاں بڑے لوگوں کے نقوش قدم محفوظ ہوں ۔ جب ایک زائر اس مقدس پتھر کو دیکھتا ہے، جس پر چڑھ کر حضرت ابراہیمؑ نے دیوار حرم کو بلند کیا تھا اس چشمے پر نظر ڈالتا ہے۔ جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیاں رگڑنے سے پھوٹ نکلا تھا۔ اس مقام سے گزرتا ہے۔ جہاں باپ نے بیٹے کو قربان کرنا چاہا تھا۔ ان گلیوں میں گھومتا ہے جہاں حضور ﷺ نے باون برس گزارے تھے۔ تو اس کا دل وجد و مستی سے جھوم اٹھتا ہے اور اس کی روح سے سوز و گداز کے چشمے رواں ہوتے ہیں۔ جو کشتِ زندگی کو بہار جاویداں عطاء کرتے ہیں

حکایت : کوئی پچیس سال کا ذکر ہے کہ کراچی سے ایک آدمی با ارادہ حج بحری جہاز میں سوار ہوا۔ وہ شب و روز کا بیشتر حصہ عبادت و تلاوت میں گزارتا رات کو عرشے پر آ کر بلند آواز سے حرم میں بخیریت پہنچنے کی دعا مانگتا اور جھوم جھوم کر اقبال کے اشعار گاتا ۔

بیا اے ہم نفس با ہم بنا لیم
من و تو کشتہ شانِ جما لیم
دو حرفے بر مرا دِ دل بگوئیم
بپائے خواجہ (صلعم) چشماں بمالیم

جب ایک صبح دور سے سرزمین عرب نمودار ہوئی تو یہ وجد میں ناچنے لگا ابھی جہاز ساحل سے چند گز دور ہی تھا کہ یہ پانی میں کود پڑا۔ آ گیا! آ گیا! کے نعرے لگاتا ہوا ساحل پر پہنچا پہلے زمین کو چوما، پھر طویل سجدے میں گر گیا، کچھ دیر بعد ساتھیوں نے اسے جھنجھوڑا تو معلوم ہوا کہ وہ حضورِ خواجہ ﷺ میں پہنچ چکا ہے۔

مپرس از کاروان جلوہ مستاں	ز اسباب جہاں بر کندہ دستاں
بجانِ شاں ز آوازِ جرس شور	چو از موج نسیمے در نیستاں

ہر زائرِ حرم کے جذبات کم و بیش یہی ہوتے ہیں اور حج کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان کو پگھلا کر ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔ بارہا ایسا ہوا کہ ایک آدمی کوئی شعر یا آیت سن کر یک دم بدل گیا اور رند سے ولی بن گیا لوگ علماء اولیاء کی قبور پر کیوں جاتے ہیں؟ ان کے کارناموں کی یاد تازہ کرنے اور اپنی روح کو بیدار کرنے کے لئے۔ آپ شاید مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آثار مقدسہ کے عظیم عجائب گھر دو ہی ہیں۔ بیت اللہ اور بیت المقدس یہ وہ مقامات ہیں جہاں جبین ہر ذرہ کسی کے نشان پا سے روشن ہے۔ ہر کنکر بڑے بڑے انقلابات کی داستان سنا رہا ہے اور فضاء میں بدستور وہ گیت گونج رہے ہیں جو کبھی داؤد و اسماعیل نے گائے تھے اور جنہیں صرف روح سن سکتی ہے۔

نغمہ وہی ہے نغمہ، کہ جس کو
روح سنے اور روح سنائے

(جگر مراد آبادی)

اللہ کی ضیافت:

جب زائرین حرم منیٰ میں پہنچتے ہیں تو تکمیل حج پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ پھر حجامت کراتے، نہاتے اور کپڑے بدل کر حضور یزداں میں قربانی پیش کرتے ہیں اس روز ساری دنیائے اسلام قربانی دیتی ہے۔ تمام غربا و مساکین گوشت کھاتے ہیں۔ ہڈیوں اور لوتھڑوں سے بلیاں، کتے، گیدڑ اور کوے تک پیٹ بھرتے ہیں اس بے مثال تقریب کو اللہ کی ضیافت نہ کہیں تو کیا کہیں۔

مقصد حیات

افادات از خطبات حکیم الاسلام (قاری محمد طیب قاسمیؒ)

دنیا میں انسان جب بھی کوئی حرکت کرتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے دانش مند اور عقلمند انسان کی حرکت بلا مقصد نہیں ہوتی۔ آپ جب مسجد کی طرف آنے کیلئے حرکت کرتے ہیں تو نماز مقصد ہوتی ہے۔ ایک شخص اگر اپنے شیخ کی طرف جاتا ہے تو اس کی حرکت مقصد اخلاقی و روحانی تربیت ہوتی ہے تا کہ اس کے نفس کی اصلاح ہوجائے۔ بلامقصد کے حرکت دیوانوں اور مجنون آدمی کا کام ہے۔

آپ کی زندگی، یہ خود ایک مستقل حرکت ہے، جو آدمی کے اندر بہت دور تک چلتی رہے گی۔ جب تک آدمی کا بدن حرکت کرتا رہے گا، کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہے۔ جب حرکت ختم ہوجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ آدمی مر چکا ہے۔ قلب حرکت کرتا رہے، کہتے ہیں کہ قلب زندہ ہے اگر قلب کی حرکت ختم ہوجائے تو کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کا انتقال ہوگیا۔ حرکت بند ہوجانے کا نام موت اور حرکت کے جاری رہنے کا نام زندگی ہے۔ اس لئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "انسان ازلی تو نہیں کہ ہمیشہ سے تھا، مگر ابدی ضرور ہے کہ پیدا ہوگیا تو اب مٹنے والا نہیں۔ ابدالآباد تک زندہ رہے گا۔ جگہیں بدلتی رہیں گی ایک عالم سے دوسرے سے تیسرے اور پھر چوتھے عالم میں، مکان اور جہاں بدلتے رہیں گے اور انسان باقی رہے گا۔"

انسان **عالم اَلَسْتُ** سے چلا، عالم رحم میں آیا، عالم رحم سے چلا، عالم دنیا میں آیا،

عالم دنیا سے چلا عالم برزخ میں آیا۔ عالم برزخ سے منتقل ہوا اور عالم محشر میں پہنچا، عالم حشر سے منتقل ہوا، جنت میں پہنچا۔ اور جنت میں روزانہ ترقی ہوگی، نئے نئے عالم انسان پر کھلیں گے، عجائبات ظاہر ہونگے۔ طرح طرح کی نعمتیں نمایاں ہونگی۔ اس لئے انسان میں تجدد پسندی کا جذبہ ہے کہ نئی نئی چیزیں اس کے سامنے آنی چاہئیں۔ ہماری زندگی عہد الست سے چلی ہے، جہاں اقرار ربوبیت کیا تھا۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا تھا کہ میں (اللہ) ہی خالق اور مالک ہوں اور مجھے یاد رکھنا، نہ صرف یہ بلکہ انبیاء کرام بھی اس عہد کی یاد دلانے کیلئے مبعوث فرمائے گئے کہ ابن آدم اس عہد ربوبیت کو نہ بھولے۔ جب بندہ اس عہد پر پکا رہے گا اس کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے گا تو اللہ بھی اپنا عہد پورا کریں گے اور دین و دنیا میں سرفراز فرمائیں گے۔

کیا مقصدِ زندگی خورد و نوش ہے؟

اس قدر طویل زندگی کا مقصد کیا ہے؟ مقصد بھی اتنا طویل ہونا چاہیے جتنا لمبا سفر ہے۔ سفر تو ہزاروں برس کا ہو اور مقصد معمولی سا ہو، وہ اسکے اوپر چسپاں نہیں ہوگا۔ انسان اشرف المخلوقات اتنی عظیم، بلند مخلوق اور اس کی زندگی کا مقصد صرف یہ کہ روٹی کھالے اور ختم ہوجائے یا ایسے اسباب و وسائل میں زندگی گنوا دے جن کا نتیجہ بہر صورت روٹی ہو۔ مثلاً تجارت اور صنعت و حرفت وغیرہ، یا باقی اسباب معاش جو روٹی کو نتیجے کے طور پر میسر کرتے ہوں یہ کوئی اہم مقصد نہیں ہے۔ اگر کھانا پینا مقصد ہوتا تو ہاتھی بھینس اور گائے وغیرہ اشرف المخلوقات بنتے انسان نہ بنتا، یہ اتنا نہیں کھا سکتا جتنا یہ جانور کھاتے ہیں۔ اس طویل زندگی کا مقصد ظاہر ہے کہ وہ روٹی تو نہیں ہوسکتی۔ اتنی لمبی چوڑی حرکت کی زندگی، کیا محض اللہ تعالٰی

نے اس لئے دی کہ چند لقمے کھا لئے جائیں! اور بس۔اسلام دنیا سے فرار نہیں سیکھاتا بلکہ معاملات میں اسکے احکامات کے مطابق سرانجام دیتے ہوئے اللہ سے تعلق قائم کیا جائے۔

روحانی قوت کی کرشمہ سازیاں:

ملائکہ ایک زندہ مخلوق ہیں وہ کون سا گوشت، روٹی کھاتے ہیں؟ ذکراللہ سے تو زندہ ہیں۔اصل زندگی تو ذکراللہ کا نام ہے۔چونکہ ہم اس کوچے سے واقف نہیں، ذکراللہ کی کوئی کیفیت ہمارے قلب میں موجود نہیں، اس لئے ہم غلطی سے یہ سمجھ گئے کہ زندگی کھانے پینے کا نام ہے ورنہ اصل میں زندگی محبوب کا نام لینا یعنی اس کا ذکر کرنا ہے۔کھانا کمال کی علامت نہیں، انبیاء، صحابہ کرام اور اولیاء کرام بقدر ضرورت کھاتے پیتے۔صحابہ کرام کی حالت یہ تھی کہ دن بھر گھوڑے کی پشت پر سوار رہتے، کھانے کی کچھ خبر نہ ہوتی تھی، ہر وقت جہاد میں مشغول ہیں۔بعض کے پاس چند ٹکڑے ہوتے، وہ کھا لیتے تھے اور بعض کے پاس وہ چند ٹکڑے بھی نہیں ہوتے تھے کھجور کی چند گٹھلیاں ہی ہوتی تھیں جب بھوک نے ستایا، بس وہ منہ میں ڈال کر نفس کو بہلا دیا۔چوبیس گھنٹے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر محنت اور جدوجہد کر کے اعلائے کلمۃ اللہ کرتے، بہر حال کمال تو ان کا سمجھا جائے گا جنہوں نے کثرت سے کھانے کو ترک کیا۔کھانا کھانا کوئی کمال نہیں بلکہ اہل کمال تو کم ہی کھاتے تھے۔ہمارے مشائخ انتہائی مختصر کھانا کھاتے تھے لیکن رات کو جب ذکراللہ میں مشغول ہوتے تو شہر میں اس طرح آواز گونجتی تھی کہ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ ہمارے گھر کے دروازے پر ذکر کر رہے ہیں۔ یہ قوت کھانے کی نہ تھی، یہ روحانی قوت تھی جو ذکراللہ سے پیدا ہوتی تھی۔

اسلام کا کام انسانیت کو صراط مستقیم پر چلانا ہے یہی حاصل عبادت ہے جس کیلئے انسان کو پیدا کیا گیا۔انسان کی پیدائش کا اصل مقصد ہی عبادت ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ ہماری عبادت کریں،بس مقصود یہ ہے اگر ایک انسان عبادت میں لگ کر کام کرتا جائے،اللہ کی طرف یعنی صراط مستقیم پر چلتا جائے گویا دنیا میں رہ کر اس کا ہر کام باعث برکت ہوگا۔اس نے زندگی کا مقصد پورا کرلیا، عبادت میں نہ لگا،تو زندگی رائیگاں چلی گئی۔گویا زندگی کا مقصد فی الحقیقت اطاعت خداوندی اور عبادت الٰہی ہے۔یہ مقصد زندگی پوری زندگی پر محیط ہے۔عبادت فقط نماز و روزہ نہیں ہے بلکہ کھانے پینے،سونے جاگنے چلنے پھرنے میں بھی عبادت ہے۔گویا اللہ تعالیٰ فقط مسجدوں میں نہیں ملتا،گھروں میں بھی ملتا ہے،دستر خوان پر ملتا ہے ہر جگہ اللہ کا جمال دیکھا جاسکتا ہے اگر چہ سچی نیت و ارادہ اور طریقِ شریعت کے مطابق چلے اور اتباع و اطاعت کا جذبہ بھی ہو تو ہر چیز اس کیلئے عبادت بن جاتی ہے۔جب تک انسان دنیا میں موجود ہے عبادت اس کے ساتھ رہے گی۔قبر میں جب پہنچے گا وہاں بھی عبادت ہوگی جیسا کہ انبیاء کرام کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں،نمازیں پڑھتے ہیں۔انبیاء کا تو بدن تک محفوظ ہے وہ تو بدن سے عبادت کرتے ہیں۔ہمارا بدن تو مٹ جاتا ہے اس لئے بدنی عبادت نہیں رہے گی مگر روحی عبادت ہم بھی کرتے ہیں اور وہ قلب کے جذبے اور تخیل کی عبادت ہے۔روح عمل نہیں کرسکتی،مگر جذبات سے عبادت کرسکتی ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ "تمہارا حشر اس حالت پر ہوگا جس حالت میں موت آئی اور موت اس حالت پر آئے گی جس حالت پر زندگی گزاری۔"اگر زندگی ذکر و عبادت میں گزاری ہے تو موت کے وقت بھی ذکر و عبادت کا ہی

دھیان ہوگا۔جب قبر سے اُٹھے گا جب بھی ذکر کا دھیان ہوگا۔حدیث میں ہے کہ اہل جنت کو تسبیح الہام کی جائے گی۔بلا ارادہ سانس کے ساتھ اللہ۔اللہ جاری ہوگا۔ارادہ کی ضرورت نہیں۔ان کو تکلیف نہیں دی جائے گی کہ تم بیٹھ کے ذکراللہ کرو،عبادت کرو،نمازیں پڑھو،وہ تو عیش کی جگہ ہے۔ہروقت راحت ہوگی مگر ان کے دلوں میں الہام کیا جائے گا" پاس انفاس" کا ذکر ہوتا ہے۔ہروقت سانس کے ساتھ اللہ اللہ جاری ہوگا اور اصل غذا ہوگی۔اس کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں بھی ہوں گی لیکن انکی محتاج نہیں ہوگی۔

انسان ارادہ،عقل وشعور سے اور اپنے معبود کو پہچان کر عبادت کرتا ہے اور اس کی یہ شان ہے۔جبکہ ملائکہ اختیار سے عبادت کرتے ہیں،ارادے کی،کی ہوئی عبادت ہی ان کے نفس کا تقاضہ ہے۔اس لئے کہ ان میں گناہ کا مادّہ نہیں،وہ بُرائی کر ہی نہیں سکتے،وہ کریں گے نیکی ہی کریں گے۔انسان اپنے نفس کا مقابلہ کر کے عبادت کرتا ہے،نفس چاہتا ہے کہ آرام سے پڑ کے سوؤں وہ کہتا ہے نہیں لحاف اتار کے جا کر اپنے ربّ کی عبادت کرتا ہے۔اگر نفس کے حکم کے مطابق چلو گے تو نفس تو آزاد اور باغی ہے۔اس کے حکم پر چلنے سے نہ دنیا بنے گی اور نہ آخرت، زندگی کے سارے امور حکم خداوندی کے تحت کریں گے تو یہ عبادت ہے اس میں خیر و برکت ہوگی دنیا بھی سنورے گی اور آخرت بھی۔لہٰذا طبعی تقاضوں کے مطابق کئے ہوئے کام زیادہ قابل توجہ نہیں ہوتے۔

اسلام کا تصوّرِ اخلاق، قرآن وسنت کی روشنی میں

(حمید اللہ شاہ ھاشمی)

اخلاق حسنہ کی دعوت وتعلیم بھی قرآن مجید کا خاص الخاص موضوع ہے اور یہ بات صرف عقیدت مندانہ نہیں، بلکہ خالص علمی اور تحقیقی بھی ہے کہ اخلاق کے بارے میں قرآن کی تعلیم اتنی جامع ایسی معتدل اور انسانی فطرت کے اس قدر مطابق ہے کہ اگر انسان اس پر عامل ہوجائے اور اپنی زندگی کے اخلاقی پہلو کو قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم وہدایت کا پابند بنا لے تو وہ انسان کی صورت میں رحمت کا فرشتہ ہوگا اس کا مکمل نمونہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تھی، حضرت عائشہؓ کا مشہور ارشاد ہے: "آپ کے اخلاق وہی تھے جو قرآن کی تعلیم ہے۔"

اسلامی اخلاق کے چھ زینے قرآن کریم کی روشنی میں بیان کئے گئے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان کا اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور ظلم سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔"

اسلامی اخلاق کا پہلا زینہ قرآن کی روشنی میں عدل ہے۔ عدل کا معنٰی ہے برابری کرنا۔ کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف کا حکم دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ کی رائے تو یہ ہے کہ چار اصول تو ایسے ہیں جن کی تعلیم تمام انبیاء علیہم السلام نے دی ہے۔ ہماری شریعت میں یہ اصول رائج ہیں۔ پہلا اصول طہارت یعنی پاکیزگی، دوسرا اخبات یعنی عجز وانکساری۔ تیسرا سماحت یعنی رذیل اخلاق سے پرہیز ہے اور چوتھا اصول عدل ہے۔

اسلامی اخلاق کا دوسرا زینہ احسان ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے

سوال کیا۔احسان کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا۔"اللہ تعالی کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس یقین کے ساتھ عبادت کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں بار بار احسان کرنے کا حکم دیا اور احسان کرنے والے کے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں۔سورہ البقرہ میں ہے۔"اور احسان کیا کرو اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

سورہ البقرہ میں ہے۔"اور احسان کرنے والوں کو ہم اور بھی بہت کچھ دیں گے"۔

سورہ المائدہ میں ہے۔"بے شک اللہ نیک کام کرنے والوں سے پیار کرتا ہے"۔

اسلامی اخلاق کا تیسرا زینہ وہ یہ کہ قرابت داروں اور رشتہ داروں کو کچھ دیا جائے۔

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: "اور ہم قرآن سے وہ چیز اتارتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کیلئے تو وہ خسارہ ہی خسارہ ہے"۔

اسلامی تصورِ اخلاق:

نیکی،شرافت،خدمتِ خلق،خوش اخلاقی،خوش مزاجی اور دیانت داری، انصاف پروری کے وہ کام جن کے پیچھے صرف اور صرف نیکی کا جذبہ اور اپنے خالق و مالک ربّ العالمین کو خوش کرنا ہو۔اسلامی اخلاق کہلاتا ہے۔ایسے اخلاق کے حامل شخص کے ذریعے بنی نوع انسان کو بے لوث اور بے ریا مفادات آرام میسر آتا ہے اور کسی کی دل آزاری اور مال کا نقصان وغیرہ کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔دراصل یہی اخلاق، اخلاق ہوتا ہے جو انسانیت کا شرف اور اعزاز ہے اور یہی خالق ارض وسماں کو مطلوب ومحبوب ہے اسی اخلاق کے بدلے

انسان کو قیامت کے دن اجر و ثواب اور انعام و اکرام ملے گا۔ یہ وہ وقت ہوگا جبکہ ہر شخص "نفسی نفسی" پکار رہا ہوگا اور کوئی کسی کا پرسان حال اور معاون مددگار نہ ہوگا۔

اسلامی اخلاق سے متعلق کچھ احادیث :

"فرمایا رحمۃ للعالمین ﷺ نے کہ میں اللہ کی طرف سے اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں"۔(موطا امام مالک) ہمیشہ سے انبیاء کرام علیہم السلام نے اچھے اخلاق کی تعلیم دی ہے اور اس تعلیم کو درجہ کمال تک پہنچانے کے لئے نبی آخرالزماں ﷺ کی بعثت ہوئی آپ نے عمل سے اور قول سے جن اخلاق کی تعلیم دی ہے وہی اخلاق سب سے زیادہ بلند اور اعلیٰ ہیں۔ان سے اچھے اخلاق کوئی پیش نہیں کرسکتا۔اخلاق نبوت کو اختیار کرنا ہی صحیح انسانیت ہے۔

"فرمایا معلم الاخلاق نے کہ بلاشبہ میں تو رحمت ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں"

(بحوالہ مسلم عن ابی ہریرہؓ)

حدیث: "فرمایا معلم انسانیت نے کہ بلاشبہ قیامت کے روز سب سے زیادہ چیز مومن کے ترازو میں رکھی جائے گی وہ اس کا اچھا اخلاق ہوگا۔ بلاشبہ فحش گو اور بدکلام سے اللہ تعالیٰ کو بغض یعنی دشمنی ہے۔"

حدیث : فرمایا فخر بنی آدم نے کہ ایمان والوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔"

حدیث: "فرمایا حضور انور ﷺ نے کہ سب مومن ایک ہی شخص کی طرح ہیں کہ اگر آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورے جسم میں تکلیف ہوتی ہے اور اگر سر میں تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔"(بحوالہ مسلم عن نعمان بن بشیرؓ)

حدیث : "حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو بے کس چھوڑے اور نہ اس کو حقیر جانے، پھر اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: تقویٰ یہاں ہے، یہاں ہے، یہاں ہے، انسان کے برا ہونے کے لئے کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، مسلمان کا مسلمان پر سب کچھ حرام ہے۔ اس کا خون بھی، اس کا مال بھی، اس کی آبرو بھی۔"

(بحوالہ مسلم شریف)

مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل نہ کرے، نہ ناجائز طریقے سے اس کا مال لے، نہ اس کی بے آبروئی کرے۔ اسلامی اخلاق کا پہلا اصول یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو اس **حدیث** سے معلوم ہوا کہ سب لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھے کہ جو اپنے لئے پسند کرے وہ سب کے لئے پسند ہو، اور جو اپنے لئے اچھا نہیں سمجھتا اس کو دوسروں کیلئے بھی برا سمجھے، مثلاً اگر اپنے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو تو یہ خیال کرے کہ میں قرض چاہتا ہوتا تو جلد وصول کرتا لہٰذا اس کے لئے اسی کو پسند کروں اور جلد ادا کروں اسی طرح اگر کسی پر قرض چاہتا ہو تو یہ سوچے کہ اگر مجھ پر کسی کا قرض ہوتا تو میں مہلت کا خواستگار ہوتا۔

اسلام ہمیں جن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اس کا نمونہ رسول اکرم ﷺ کی ذات میں موجود ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی حیات اطہر کو اللہ تعالی نے تمام مسلمانوں کے لئے نمونہ بنایا۔ آپ ﷺ بے حد خوش خلق اور نرم مزاج تھے۔ کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے اور ہر ایک سے بڑی محبت اور نرمی سے گفتگو فرماتے تھے۔ چہرہ مبارک ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ زبان میں اتنی مٹھاس تھی کہ ملنے والوں کا دل موہ لیتی تھی۔ جو سلیم الفطرت شخص آپ سے ملتا، آپ ﷺ کا ہی ہو کر رہ جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے آپ کی نرم مزاجی اور خوش خلقی کی شہادت یوں دی ہے۔

"یعنی اے نبی! یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے جوزم مزاج خوش خلق واقع ہوئے ہو، ورنہ اگر کہیں تم تندخواور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔"

قرآن کریم میں حکم دیا گیا: "یعنی اے مومنو! لوگوں سے خوش کلامی سے پیش آؤ۔"

اسلامی اخلاقی قدریں اوراسلامی معاشرہ:

اسلام ایسا دین ہے جوایک مکمل نظام اخلاق رکھتا ہےاور عقائد و عبادات کے بعد اخلاق پر زور دیتا ہے کیونکہ عقیدہ اور عبادات نفسِ انسانی کی تطہیر(پاک) کرتے ہیں اور اخلاق انسان کو معاملاتِ زندگی اور حقوق وفرائض کی بجاآوری کا پابند بناتے ہیں اور عادات واطوار کو جلا بخشنے کا موجب بنتے ہیں۔

اسلام اخلاق پر خوفِ الٰہی اور آخرت کی جوابدہی کی فکر کوضروری قرار دیتا ہے۔ اخلاق "خـلـق" کی جمع ہے جس کے لغوی معنی عادت یا خصلت کے ہیں۔ بعض علماء خلق کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ " کسی ارادہ کا عادت بن جانا "خلق" کہلاتا ہے۔ اور بعض خلق کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ "انسان کے رجحانات میں سے کسی رجحان کا اپنے دوام وتسلسل کی وجہ سے غالب آجانا خلق کہلاتا ہے۔ گویا بہتر رجحان حسن خلق یا اعلیٰ اخلاق ہے اس کے برعکس اگر رجحان میں خلل اور برائی کا عنصر غالب ہو جائے تو اخلاق بد یا خلق اسفل بنتا ہے۔

اخلاق کی دو قسمیں ہیں اوّل 'اخلاق اعلیٰ' دوئم 'اخلاق بد'(رذیلہ)۔ اخلاق فاضلہ یا فضائل اخلاق میں صدق، صبر، توکل، تقویٰ اور دیگر احسن صفات شامل ہوتی ہیں جبکہ اخلاق رذیلہ یا اخلاق اسفل میں جھوٹ، حرص، حسد، غیبت، چغل خوری، ظلم و زیادتی اور دیگر

برے خصائل شامل ہوتے ہیں۔

اخلاق کا تعلق انسانوں کے مابین باہمی تعلقات اور میل جول سے ہے۔ علم الاخلاق اسے کہا جاتا ہے جو فضائل و رذائل کا علم بخشے اور ان کی تفصیلات پر پوری طرح یا مکمل روشنی ڈالے۔تصور اخلاق دنیا کے ہر مذہب میں پایا جاتا ہے اور سب اس کا ماخذ حکم الٰہی کو قرار دیتے ہیں۔خواہ ان کا تعین مکمل طور سے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔اسلام ماخذ حکم الٰہی کے ساتھ ساتھ اخلاقی اقدار کے لئے اندر کی آواز یعنی فطرت یا وجدان یا عقل یا ضمیر کو بھی ضروری قرار دیتا ہے۔کیونکہ اسلام کا منشائے احکام اور کمال اخلاق یہ ہے کہ وہ سمجھ کر ادا کئے جائیں اور ادائیگی احکام کے وقت ضمیر ، وجدان ، عقل اور فطرت اس میں موجود ہو۔ ان میں جس قدر مطابقت و موافقت زیادہ ہوگی اسی قدر روحانی کمال بہتر حاصل ہوگا اور جس قدر ان میں تضاد یا فقدان پایا جائے گا اتنا ہی کمال اپنے نچلے درجہ میں ہوگا۔مولانا آزاد ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ "ادیان کا خلاصہ خدا پرستی اور نیکوکاری ہے"۔

اسلامی اخلاق اور عام اعلیٰ اخلاق میں ایک چھوٹا سا فرق ہے۔عام اعلیٰ اخلاق کی بنیاد انسانیت پر قائم ہے جبکہ اسلامی اخلاق کی بنیاد قرآن و حدیث ہے اور اخلاقی حدود و ضوابط، اسلامی شریعت ہی متعین کرتی ہے جو مستقل اور نا قابل تغیر اصولوں پر قائم ہوتے ہیں۔

اسلام اخلاقیات کو انسانی شعور و ترقی کے لئے بہت ضروری قرار دیتا ہے۔آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ تمام انسانوں کے لئے اخلاق کا بہترین نمونہ ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔"یعنی میں تو اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں"۔حدیث شریف ہے کہ "انسانی سعادت خلق ہے اور شقاوت بد خلقی ہے"۔دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

"عبادات سے حسن خلق افضل ہے"۔

اسلامی اخلاقی قدریں:

اسلامی اخلاقی خصوصیات، حقیقت میں اسلامی اخلاقی اقدار، قدریں مندرجہ ذیل ہیں:

1- رضائے الٰہی کا مقصود:

اسلامی اخلاقی قدر اوّل یہ ہے کہ ہر کام میں خوشنودی و رضائے الٰہی کو مدنظر رکھا جائے اور ان کے سوا کسی قسم کی کوئی اور غرض شامل نہ ہو اور یہ ہی عام اعلیٰ اخلاق اور اسلامی اخلاق میں فرق ہے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے ترجمہ: "اور جو یہ تمام کام اللہ کی خوشنودی کے لئے کرے گا تو ہم اس کو بڑا اجر دیں گے"۔ (النساء)۔ بلاشبہ ہمارے اخلاق و اعمال اگر رضا الٰہی کے طلب گار ہوں گے تو وہ اپنی حقیقی روح سے بھی خالی نہیں ہوں گے۔ جس کے کرنے کا بڑا ثواب اور اجر ہے اور جس کا مقصود اللہ کی خوشنودی ہو اس کے لئے دین اور دنیا کی بھلائی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے "اور جنہوں نے اپنے پروردگار کی طلب کیلئے صبر کیا"۔ (رعد)

2- امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

اسلامی اخلاق کی قدر دوم یہ ہے کہ نظام زندگی کے قیام میں نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے"۔

یعنی اچھی بات کا حکم دو اور بری بات سے روکو (لقمان)۔

حقیقت میں یہ مسلمانوں کی اخلاقی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو کسی برائی میں مبتلا دیکھیں تو ان کو روکیں یا راہ راست پر چلنے کا خواہاں پائیں تو وہ ان کی مدد کریں

لیکن اسلام صرف الفاظ کا مجموعہ یا زبانی ہدایات کا نام نہیں ہے بلکہ وہ عمل کو اولین اہمیت دیتا ہے اس سلسلے میں بھی ہدایت دینے والے کے لئے لازمی قرار دیتا ہے کہ پہلے وہ باعمل ہو۔قرآن پاک میں ارشاد ہے" کیا تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو "۔ نیکی کا پرچار اور برائی کا خاتمہ انسان کو مختلف دشواریوں اور مصیبتوں میں بھی مبتلا کر دیتا ہے مگر کامیابی اسی کیلئے ہے جو اپنے عزم میں قائم رہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہوتا ہے ۔"اچھی بات بتا اور بری بات سے روک اور جو تجھ پر پڑے اس کو برداشت کر کہ یہ ہمت کے کام ہیں"۔(لقمان)

یہی اخلاق قدر ہے کہ برائی کے بدلے میں بھی نیکی اختیار کی جائے اور دشمنی کا جواب دوستی میں دیا جائے مگر یہ اس وقت ہی ممکن ہوسکتا ہے جب یہ اخلاقی خوبی انسان میں پورے طور سے موجود ہو۔قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے ۔"نیکی اور بدی برابر نہیں،تو برائی کا جواب بہتری سے دے، پھر دیکھ کہ وہ جس کے اور تیرے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسا گہرا دوست اور یہ بات ان ہی کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت(صبر)رکھتے ہیں"۔ (حم السجدہ)

3- اخلاق کی بالا دستی کا قیام:

اسلامی اخلاق کی قدر رسوم اخلاق کی بالا دستی کا قیام ہے۔اسلامی اخلاق کے اصول نا قابل تغیر ہیں جنہیں نہ تو زمانہ اور نہ ہی انسانی فکر تبدیل کر سکتی ہے کیونکہ یہ قدریں مستقل اور دائمی ہوتی ہیں ۔اسلامی اخلاق انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تعمیر کرتا ہے لہٰذا اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں اخلاق کی بالا دستی کا ہونا ضروری ہے ۔اسلامی نظام اخلاق کے دو حصے ہیں ۔پہلا اعلیٰ اخلاق سے متعلق اور دوسرا اخلاق بد سے متعلق ہے۔پہلے حصے میں وہ اخلاق ہیں جن کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے ،اس میں صدق توکل ،صبر ،شکر ،عفو درگزر ،تقویٰ ،

پرہیز گاری، استقلال، سخاوت، شجاعت، حلم ووقار، خوش خلقی، شیریں کلامی، مہمان نوازی، ایثار، کسب حلال، میانہ روی، ایفائے عہد، اتحاد، مساوات، صلح پسندی، ناپ تول میں ایمانداری، شرم وحیا، فسق فجور سے نفرت، غلاموں، کمزوروں، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، دوسروں کو برا بھلا کہنے، نام دھرنے اور برے القاب دینے سے اجتناب برتنا، والدین کی خدمت، چھوٹوں پر شفقت، جانوروں پر رحم، بیماروں کی عیادت، امیر وامام کی اطاعت شامل ہیں۔

دوسرے حصے میں برے اخلاق یا بری خصلتیں شامل ہیں جن سے بچنے اور دور رہنے کا حکم دیا گیا۔ اس میں جھوٹ، حسد، ظلم، غرور، تکبر، تہمت، غیبت، وعدہ خلافی، لالچ، بد گمانی، چغل خوری، طعنہ زنی، منافع خوری، رشوت ستانی، شراب خوری، بے حیائی، بدکاری، چوری، ڈاکہ زنی، ناانصافی، تعصب، تنگ نظری، سخت گیری، جھگڑا فساد، والدین کی نافرمانی، انتشار پسندی، تخریب کاری جیسی مذموم باتیں شامل ہیں۔ اسلامی اخلاق کی تفصیلات ہمیں آنحضرت ﷺ کے ذریعے بتائی گئی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان پر خود بھی عمل کریں اور معاشرہ کے دوسرے افراد کو بھی اس کا پابند بنائیں۔ اسی طرح جن باتوں سے روکا گیا ہے ان سے خود بھی پرہیز کریں اور دیگر افراد کو بھی اس سے دور رکھیں۔

اسلامی معاشرہ اور اخلاق:

اسلامی معاشرہ کی اساس قرآن و سنت ہے۔ اسلامی معاشرہ کا مقصد امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ جو اپنی وسعت میں رنگ ونسل، وطن وزبان سے بلند و بالا ہے۔ اس وسعت کو وحدت بخشنے کے لئے اسلام ارکان، عقائد، حقوق فرائض، معاملات اور قوانین کا ایک مربوط لائحہ عمل کام کرتا ہے تاکہ معاشرہ کے افراد میں تعاون محبت اور خلوص کی

راہیں قائم ہوں اور وہ نوع انسانی کی خدمت کر سکیں ۔ نیز وہ تقویٰ و پرہیز گاری، خدا ترسی، فرض شناسی، پاک دامنی اور عاقبت اندیشی سے کام کریں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ "بلاشبہ تم میں معزز ترین شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے" ۔ (القرآن)

اسلامی معاشرہ کی نمایاں خصوصیات میں عقائد و اعمال کی یکسانیت، مساوات، عدل و انصاف، سادہ زندگی، مالی امداد و تعاون، اخلاق و عادات کی تعمیر فکر و عقیدہ کی آزادی بیکار باتوں سے احتراز نیکی کا فروغ اور برائی کی بیخ کنی، مذہبی رواداری، وسعت نظر و علم، اقتصادی، سیاسی، تمدنی و نسلی آزادی، جہالت اور رسم و رواج کی نفی اور احترام آدمیت شامل ہیں ۔

اسلام میں اخلاق کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے کیونکہ اخلاق کے ذریعے انسانی کردار کی تعمیر میں نمایاں اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں" ۔ (طبرانی) دوسری جگہ فرمایا "مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے" (ترمذی، ابوداؤد) ۔

اسلامی معاشرہ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس کے افراد اپنی نفسانی خواہشات کو حکم الٰہی کے تابع رکھتے ہیں ۔

اسلامی معاشرہ کی خصوصیت حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے ظاہر اور واضح ہوتی ہے کہ "مسلمانوں کے آپس میں رحم و کرم اور میل جول کی تصویر دیکھنی ہو تو وہ خود اس کے اپنے جسم میں نظر آئے گی ۔ بدن کے کسی عضو کو اگر تکلیف پہنچے تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے، نیند جاتی رہتی ہے اور بخار آ جاتا ہے اور جب تک اس عضو کی تکلیف نہ ختم ہو بدن کو چین نہیں آتا" (مشکوٰۃ شریف) ۔ (بعینہ یہ حال اسلامی معاشرہ کا ہونا چاہیے ۔)

حقیقت میں اعلیٰ اخلاقی کردار سے مراد ہے وہ کردار جو فضائل اخلاق سے مزین ہو۔ "فضیلت ہر وہ علامت ہے جو روح کی عظمت، ذہن کی وسعت، قلب کی گہرائی اور مزاج کی اعتدالیت کو تقویت دے"۔ (حج اللہ البالغہ، البدور البازغہ) دراصل یہ وہ خصوصیات ہیں جو مقصد کی آفاقیت کو ظاہر کرتی ہیں لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر وہ علامت جو انسان کو حیوان سے ممتاز کرے اور حیوان پر انسان کی برتری ثابت کرے وہ اخلاق فاضلہ ہے اور اس کے برعکس ہر وہ علامت جس سے ان صفات کی کمی یا فقدان ظاہر ہو اخلاق بد ہے۔

پس ظاہر ہوا کہ اعلیٰ اخلاقی کردار اسی وقت کہا جا سکتا ہے جب وہ اخلاق فاضلہ کا پابند ہو اور اخلاق بد سے دور رہو۔ خلق اس ملکہ نفسانیہ کو کہتے ہیں جس سے انسان کا افعال حسنہ کا بجالانا آسان ہو جاتا ہے۔ انسان جب کسی برے کام کا ارادہ کرتا ہے تو نفس لوامہ اسے روکتا ہے اور یہ اندرونی آواز (ضمیر) اس کو بچانے کی کوشش کرتی ہے۔

حلال اور حرام کا اِسلامی تصوّر (از خطباتِ حرم)

(امام کعبہ الشیخ عبدالرحمٰن السدیس ترجمہ: محمد عبدالہادی العمری)

" تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کیں اور ناپاک چیزیں حرام۔ میں اسی کی حمد بیان کرتا ہوں، اس کی نعمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے اُسی ذاتِ عالی کا شکر ادا کرتا ہوں، اس کے احسانات کا میں بے حد شکر گزار ہوں، اسی کی ثناء بیان کرتا ہوں جیسا کہ حق ہے۔ یقیناً اس کی ذات قابل ستائش اور لائق حمد و شکر ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے ہمارے لیے حلال کے دروازے کھول دیے تاکہ ہم حرام سے بچے رہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، آپ کا مقام مخلوق میں سب سے بلند ہے۔ اللہ کی بے شمار رحمتیں، سلامتی اور برکتیں ہوں آپ ﷺ پر، آپ کی آل پر اور اصحاب کرام و تابعین پر اور قیامت تک آنے والے ان لوگوں پر جو صراطِ مستقیم پر چلیں۔"

لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے ہمیں اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ ہمیں حلال کا راستہ بتایا اور حرام سے بے نیاز فرمایا۔ اسلام ایک مکمل دین اور ضابطۂ حیات ہے، اس میں زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں بھر پور رہنمائی دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور معاملات صاف اور واضح اسلوب میں بتائے گئے ہیں۔ دنیا کمانے کے پاکیزہ اور حلال طریقوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جس میں ہر ایک کیلئے مصلحت اور خیر ہے، اس راستے کو اپنانے میں برائیوں کی روک تھام ہے، اسلامی طریقوں پر عمل کرنے سے عزت وآبرو، مال و دولت اور امن وامان، ہر چیز اعتدال کے ساتھ برقرار رہے گی۔ اسلام نے جس

طرح عقائد اور عبادات کے مسائل میں ہماری رہنمائی کی ہے اسی طرح ہمیں اپنے معاملاتِ زندگی کیلئے بھی بہترین تعلیمات سے نوازا ہے۔اس کیلئے شریعتِ اسلامیہ نے اعلیٰ اصول و قواعد اور آداب بتائے ہیں۔ان پر عمل کرنے میں سب کیلئے بڑی آسانی اور سہولت رکھی ہے۔ نہ کسی پر ظلم، نہ کسی کا استحصال، نہ حقوق کی چھینا جھپٹی، نہ کسی کے ساتھ خیانت اور بے ایمانی۔ ہمارے دینِ حنیف کے طریقے سب کیلئے راحت بخش اور فیض رساں ہیں،فرمانِ الٰہی ہے:

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے تجارت ہو اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے۔اور جو شخص سرکشی اور ظلم سے ایسے (نافرمانی کے) کام کرے گا تو اسے ہم جلد آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔''اور فرمایا:

ترجمہ: ''اور تم اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ اور انھیں حاکموں کے پاس نہ لے جاؤ تا کہ تم لوگوں کے مالوں میں سے کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔''

رسول اکرم ﷺ نے اپنے اہم ترین خطبے میں عرفہ کے دن فرمایا:

ترجمہ: ''بے شک تمہارے خون اور مال تم پر حرام ہیں جس طرح تمہارے آج کے دن کی حرمت ہے،تمہارے اس مہینے اور تمہارے اس شہر کی حرمت ہے۔''

رسول اکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''کسی انسان کا مال جائز نہیں مگر جو وہ اپنی رضا اور خوش دلی سے دے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ چیزیں ہی قبول کرتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اپنے رسولوں کو دیا، چنانچہ فرمایا:

ترجمہ: ''اے رسولو! تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو، بے شک تم جو عمل کرتے ہو میں اسے خوب جانتا ہوں۔'' دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اے لوگو، جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں رزق کے طور پر دی ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے ایک آدمی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: ''وہ آدمی جو دور دراز کا سفر کرے، اس کے ہاتھ پاؤں گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہوں، وہ اپنے دونوں ہاتھ نہایت عاجزی سے آسمان کی طرف پھیلا دیتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے ربّ! اے میرے ربّ! لیکن اس کا کھانا حرام کا، اس کا پینا حرام کا، اس کا لباس حرام کا اور اس کی روزی حرام کی، لہٰذا اس کی دُعا کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔''

محترم بھائیو! ایک مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے معاملات ٹھیک رکھے، خرید و فروخت، کرایہ اور قرض، رہن یا تجارت ہر چیز کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق انجام دے، وہ لوگ تباہ و برباد ہوئے جنہوں نے اپنے دین کے صرف ایک حصے، یعنی عبادات پر تو عمل کیا لیکن معاملات میں اپنی مرضی پر چلتے رہے۔ دین کو انہوں نے صرف عبادات کی حد تک محدود کر دیا، چاہے یہ جہالت کی وجہ سے ہو یا دین سے بیزاری اور دنیا کے لالچ میں۔ پھر وہ اس غلط راستے پر دور نکل گئے حتیٰ کہ انہیں اس کی کوئی پرواہ ہی نہیں رہی کہ مال کیسے حاصل ہو رہا ہے، حلال طریقے سے یا حرام راستوں سے، ان میں اتنی بے حسی پیدا ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ راستوں سے مال بٹورتے ہوئے انھیں احساس ندامت تک نہیں ہوتا۔ مال و دولت کی حرص نے انھیں اتنا اندھا کر دیا ہے کہ وہ دنیا کے لالچ میں دین تک کا سودا کر بیٹھے، درہم و دینار کی محبت نے انہیں اللہ اور رسول سے غافل کر دیا اور بعض لوگ سود خوری میں مبتلا ہو گئے اور

بعض مکروفریب سے دولت کمانے لگے،بعض لوگوں نے دھوکے بازی کواپنا شعار بنالیا اور جھوٹی قسمیں ان کا تکیۂ کلام بن گئیں۔وہ ظلم، دروغ گوئی اوردھوکا بازی کے عادی بن گئے۔دنیا طلبی میں مرنے لگےاورمال کی ریل پیل نے انھیں ذلیل کردیا۔نہ وہ اپنی ذمہ داریوں کوخاطر میں لاتے ہیں نہ انہیں اپنے انجام کی فکر ہے۔انھیں خود اپنا احتساب کرنے کی فرصت ہے نہ دوسروں کی موت ان کے لیے باعثِ عبرت ہے۔نہ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں نہ یومِ حساب کی انھیں کوئی پرواہے:

ترجمہ: ''اور ظالم لوگ جلد جان لیں گے کہ کون سی پلٹنے کی (خوفناک) جگہ وہ پلٹیں گے۔''

برادرانِ اسلام!شریعتِ اسلامیہ میں معاملات ٹھیک رکھنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔فقہ اسلامی اس کی تفصیلات سے بھری ہوئی ہے کیونکہ انسانی زندگی کا ان مسائل سے بڑا گہرا تعلق اور مضبوط رشتہ ہے،اسی لیے اس کو خصوصی اہمیت دی گئی لیکن افسوس کہ ہم معاملات کو شرعی تعلیمات کی روشنی میں انجام دینے سے غافل اور بے پرواہیں۔آج ہرطرف ہواو ہوس،حرص ولالچ،خود غرضی اور مادیت کا دوردورہ ہے۔اس پرفتن دور میں تقویٰ ،پرہیز گاری اورحلال وحرام کی تمیز کم ہوتی جارہی ہے،اس لیے اس موضوع پر اظہار خیال کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ انسان کی زندگی پراس کے دوررس مرتب ہوتے ہیں۔حضرات! کسب حلال کا پاکیزہ اثر آدمی کی سیرت وکرداراورعبادات سمیت ہرچیز پر پڑتا ہے،نہ صرف اس کی انفرادی زندگی پر بلکہ اس کی اولاد،خاندان اورپھر ساری سوسائٹی پراس کے خوشگوار آثارونتائج دیکھے جاسکتے ہیں۔اس کے برعکس حرام کمائی کے مہلک اثرات بھی ہرسطح پر دیکھے جاسکتے ہیں،ان کا نقصان صرف حرام کمائی والے کی انفرادی زندگی ہی پرنہیں بلکہ اس کی اولاد،خاندان اورسوسائٹی تک ہرجگہ صاف محسوس کیاجاسکتا ہے،رسول اللہ ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

ترجمہ: ''صورت حال یہ ہے کہ نہیں بڑھتا کوئی گوشت جس کی حرام سے نشوونما ہوئی ہو مگر آگ اس کے زیادہ لائق ہے۔''

امام احمدؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جب کوئی بندہ حرام مال کماتا ہے اور خرچ کرتا ہے تو اس میں برکت نہیں ہوتی، وہ خیرات دیتا ہے تو قبول نہیں ہوتی اور اگر اپنے پیچھے کچھ چھوڑ جاتا ہے تو وہ اس کیلئے جہنم کا توشہ بن جاتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعے نہیں مٹاتا، البتہ برائی کو نیکی کے ذریعے دور کرتا ہے۔ بلاشبہ گندگی گندگی کو ختم نہیں کر سکتی۔''

برادرانِ اسلام! حرام کمائی اور غیر اسلامی معاملات سراسر مصیبت ہیں۔ یہ دنیا میں فتنے اور آخرت میں عذابِ جہنم کا باعث ہیں، پھر ایک مسلمان کے لیے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اتنی سخت وعیدیں سننے اور اتنے بھیانک اور رسوا کن انجام سے آگہی حاصل کرنے کے بعد پھر بھی ان میں ملوث ہو۔ کیا یہ اس کی دین سے بیزاری اور عقل و شعور میں خلل کی دلیل نہیں؟ رسول اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں پہلے ہی آگاہ فرمادیا تھا:

ترجمہ: ''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں انسان اس کی پروا نہیں کرے گا کہ وہ کیسے کما رہا ہے حلال سے یا حرام سے۔''

شاید ہمارا یہی وہ زمانہ ہے جس کا حدیث میں ذکر کیا گیا کیونکہ حرام کاروبار کی اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ بہت سے مسلمان بھی اس ریلے کی زد میں آگئے، دھوکا اور فریب دے کر دولت کمانا، دوسروں کو نقصان پہنچانا اور اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں خیانت کرنا وہ امراض ہیں جو ہمارے معاشرے میں وبا کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

ایک ادارے میں کام کرنے والا اگر اپنی ڈیوٹی انجام نہ دے اور لوگوں کو تنگ کرے تو وہ اپنے

کام میں ظلم اور بددیانتی کا مجرم ٹھہرے گا، جو تنخواہ وہ حاصل کرے گا وہ حرام سمجھی جائے گی کیونکہ جس مقصد کے لیے اُسے تنخواہ دی جارہی ہے وہ اسے پورا نہیں کررہا۔ اکثر اداروں میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ لوگ بغیر رشوت کے اپنی ڈیوٹی بھی انجام نہیں دیتے۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ کھلا دھوکا ہے، صریحاً معصیت اور خیانت ہے۔ وہ تاجر جو سودی لین دین کے ذریعے کاروبار کرتا ہے، وہ بیوپاری جو تجارت کا سامان دھوکے اور جھوٹ کے سہارے فروخت کرتا ہے، ناپ تول میں کمی کرتا ہے یا اُن چیزوں کی تجارت کرتا ہے جو شرعاً حرام ہیں وہ سب کے سب گناہگار ہیں۔ کچھ لوگ اپنے ماتحت ملازموں پر ظلم کرتے ہیں، مزدوروں کے حقوق ادا نہیں کرتے اور بعض لوگوں کے مال میں غبن کرتے ہیں اور قوم کا پیسہ غلط جگہوں پر خرچ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ تو نہایت نچلی سطح پر گر چکے ہیں، وہ جوا، لاٹری اور غلط قسم کی انشورنس کے ذریعے دولت کماتے ہیں، کچھ لوگ ظلم اور زیادتی سے دوسروں کا مال چھینتے ہیں، ان کی املاک پر قابض ہو جاتے ہیں، ان برائیوں میں جو بھی ملوث ہوگا، چاہے وہ افراد ہوں یا ادارے، سب کے سب اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہ ہوں گے۔ یہ وہ برائیاں ہیں جن کا ذکر کرتے ہوئے بھی ایک غیور مسلمان کی زبان لڑکھڑا جاتی ہے لیکن یہ ایسی بیماریاں ہیں جو ہمارے معاشرے میں موجود ہیں اور ہماری اخلاقی قدروں کو کھوکھلا کررہی ہیں۔ اگر کوئی ان کا جائزہ لینا چاہے تو کسی مارکیٹ یا بازار میں چلا جائے اور وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر نظر ڈالے، چاہے وہ اشیائے خورد ونوش ہوں یا ملبوسات کا بازار ہو، سواریوں کی مارکیٹ ہو یا جائیداد کا کاروبار کرنے والے، صاف دکھائی دے گا کہ ہمارے یہ بازار ہماری شریعت سے دور جا چکے ہیں، شرعی قوانین اور بازاری قوانین میں نمایاں فرق دکھائی دے گا۔ اگر کوئی عدالت کا رخ کرے اور وہاں زیرِ سماعت مقدمات کا جائزہ لے کہ کس پر کس نے محض مال بٹورنے کے لیے کیسے کیسے مظالم ڈھائے ہیں تو

ایک مسلمان کا سر شرم سے جھک جائے گا۔

معزز بھائیو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اپنے کاروبار اور کمائی کا جائزہ لیتے رہو۔ خوب جانچو کہ ہمارے گھر میں کیا آرہا ہے؟ اور ہم اپنے بیوی بچوں کے پیٹ کس طرح بھر رہے ہیں؟ تاجر برادری کو چاہیے کہ اپنی تجارت میں سچائی اور اسلامی اصولوں کو سامنے رکھیں، کتنے خوش بخت ہیں وہ لوگ جو حلال طریقے سے کماتے ہیں اور کیسے بدبخت ہیں وہ لوگ جو حرام روزی سے جسم پروری کر رہے ہیں۔ محترم بھائیو! حقوق العباد کا معاملہ بڑا ہی نازک ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''جس شخص کے ذمے اپنے کسی بھائی کی عزت سے متعلق یا کسی اور چیز کے متعلق کوئی حق ہو تو وہ آج ہی اس سے معاف کرالے وہ اُسے آج ادا کردے اس دن سے پہلے جس میں (پورا پورا حساب چکایا جائے گا) درہم اور دینار (کا معاملہ) نہیں ہوگا (بلکہ) اگر اس کی نیکیاں ہوں گی تو ظلم کے برابر وہی نیکیاں اس سے لے لی جائیں گی (اور ان مظلوموں کو دے دی جائیں گی جن کے حقوق غصب کیے گئے تھے) اور اگر اس کی نیکیاں نہیں تو مظلوم کے گناہ ظالم کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔''

معزز بھائیو! اُس گھڑی کا احساس آج اور ابھی کرلو جب تم سے اللہ عزوجل ایک ایک پائی کے بارے میں سوال کرے گا، وہ بڑا کٹھن وقت ہوگا، اُس وقت کی ہولنا کی ہوش اُڑا دے گی، ماں اپنے شیر خوار بچے کو بھول جائے گی اور حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا۔ اس وقت کسی شخص کے قدم چار سوالات کا جواب دیے بغیر ہل بھی نہیں سکیں گے۔ اس کے مال کے متعلق دو باتیں پوچھی جائیں گی کہ کیسے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے

ترجمہ: "ہمیں اس جواب کی تیاری کرنی چاہیے ورنہ حشر کے میدان میں ہماری زبانیں

گنگ ہو جائیں گی اور کوئی جواب بن نہیں پائے گا۔ اللہ عزوجل ہم سب کو حلال کمانے اور حرام سے دور بھاگنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مغفرت فرمائے۔

لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، پاکیزہ اور برکت والی چیزوں کو لازم پکڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے۔ حلال اور حرام کے معاملات میں بہت ہوشیار رہو، اگر کسی مسئلے میں کوئی الجھن ہو تو اہل علم سے معلوم کرو، شک و شبہ کی چیزوں سے پرہیز کرو کیونکہ مشتبہات حرام کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہیں، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: ”بے شک حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے مابین کچھ چیزیں مشتبہات ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے، جو ان سے بچ گیا اس نے اپنی ایمانداری اور عزت کو بچا لیا اور جو مشتبہات میں داخل ہوا وہ حرام میں مبتلا ہوگا۔“

محترم بھائیو! اپنے معاملات کو بہت صاف ستھرا رکھو، اپنے کام اور اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی میں کامل دیانت اور امانتداری کا مظاہرہ کرو، تجارت میں سچائی کو اپناؤ۔ یہی اخلاص کا تقاضا ہے۔ یہی عوام اور حکام کے ساتھ خیر خواہی ہے۔ یہی عمل مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور اخوتِ اسلامی کا مظہر ہے۔ یقین کیجیے کسبِ حلال سے بڑا سکون اور اطمینان حاصل ہوگا جس کے تمہاری اولاد، گھر اور خاندان پر بڑے اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔ اس دنیا میں ہر قدم ذہن میں یہی بات رہنی چاہیے کہ قیامت کے دن حشر کے ہجوم و ہیجان میں ہمیں ایک ایک پائی کا حساب دینا ہوگا۔ پس حلال روزی ہی ہمارے لیے دنیا میں سکون کی ضمانت اور آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔ درود و سلام پڑھیں نبی کریم، رحمۃ للعالمین، رہبر عالم حضرت محمد ﷺ پر جس کا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے۔

توبہ کی حقیقت

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ)

''اے ایمان والو! اللہ کے حضور توبہ نصوحا کرو یعنی پکی توبہ' اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری برائیاں دور فرما دیں گے اور تمہیں اپنے باغات میں داخل فرمالیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

نصوح کا لفظ نصح سے نکلا ہے جس کے معنی خیر خواہی کے ہیں۔(توبہ کے معنی رجوع کرنا' لوٹ آنا' سرکشی سے باز آجانا اور طریق بندگی کی طرف پلٹ آنا۔)

توبہ نصوح کی تشریح:

عربی میں عسل ناصح خالص شہد کو کہتے ہیں۔جس سے موم وغیرہ کی ملاوٹ نکال دی گئی ہو۔نصاحة الثوب عربی میں ادھڑے ہوئے کپڑے کو سینے اور مرمت کرنے کے ہیں۔اس اعتبار سے توبة نصوح وہ توبہ ہوئی جس میں انسان اپنے ساتھ خلوص اور خیر خواہی رکھے۔اپنے اعمال کو خالص کرے اور گناہوں کے ذریعے سے اس کی شخصیت میں جو شگاف اور دراڑیں پڑ گئی ہیں ان کی مرمت کر لے۔

مادۂ عصیان:

انسان کی طبیعت میں گناہ کا میلان رکھ دیا گیا ہے۔حدیث شریف میں ہے:

''سارے بنی آدم خطا کار ہیں اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو خطا سے توبہ کریں۔

خطا انسان سے ہوتی ہے' سوائے انبیاء کے کوئی اس سے معصوم نہیں۔اس سلسلہ میں تین قسم کے لوگ سامنے آتے ہیں۔

(۱) پہلی قسم تو یہ ہے کہ گناہ کر کے سرے سے انکار کر دیا کہ ہم نے گناہ کیا ہی نہیں۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ گناہ کیا مگر اس کے بہانے ڈھونڈے اور عذر تراشی کی۔جس طرح شیطان نے کیا تھا۔سجدہ کرنے سے انکار کر کے بہانہ کیا تھا کہ:(کہ میں نے سجدہ اس لئے نہیں کیا کہ)میں آدم سے بہتر ہوں' آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔''

(۳) تیسری قسم یہ کہ گناہ کیا لیکن اعتراف گناہ کر لیا اور معافی مانگ لی ۔آدمؑ نے یہی کچھ کیا۔اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کے قریب جانے سے روکا' نہ رک سکے' نافرمانی ہوگئی تو پھر پریشان تھے کہ اب کیا کریں؟ اب خود اللہ تعالیٰ سے ہی پوچھتے ہیں کہ اے اللہ بتا! میں کیا کروں؟ پہلی مرتبہ گناہ ہوگیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کریں۔بیٹھے رو رہے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

ترجمہ: ''پس آدم نے اپنے پروردگار سے(معافی کے)کلمات سیکھے' پس اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔''

اللہ تعالیٰ سے پوچھتے ہیں کہ اے اللہ بتا' میں تجھ سے معافی کیسے مانگوں؟ کتنی معصومیت ہے اس بات میں! کتنی بے بسی ہے اس بات کے اندر! اے اللہ! گناہ ہوگیا ہے' پتہ نہیں معافی کیسے مانگوں؟ آپ ہی بتا دیں کہ معافی کیسے مانگوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے معافی کے کلمات سکھا دیئے اور معاف کر دیا۔وہ کلمات یہ تھے:

''اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔'' تو یہ تین قسمیں نظر آتی ہیں۔گناہ سے مکر جانے والے

لوگ' گناہ کے بہانے بنانے والے لوگ اور اعتراف جرم کر کے توبہ کرنے والے لوگ۔ آدمؑ و ابلیس میں بنیادی فرق یہی ہے کہ خطا آدم سے بھی ہوئی' ابلیس سے بھی ہوئی۔ مگر ابلیس اکڑ گیا۔ اس نے بہانے بنائے اور فلسفے گھڑے اور آدمؑ فوراً پشیمان ہو گئے اور توبہ و استغفار میں لگ گئے۔

گناہ کی حقیقت:

جس طرح سے انسان کو حق کی معرفت ہونی چاہیے اسی طرح سے باطل اور گناہ کی بھی پہچان ہونی چاہیے۔ گناہ کی حقیقت اللہ کی نافرمانی ہے' خواہ وہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو۔ اس میں ایک بہت بڑی غلطی ہم سے یہ سرزد ہوتی ہے کہ ہم ان گناہوں کو گناہ سمجھتے ہیں جنہیں لوگ برا سمجھتے ہوں اور لوگوں میں جس چیز کا رواج ہو چکا ہو' اسے ہم گناہ نہیں سمجھتے۔ مثلاً غیبت کرتے رہنا۔ اس کا رواج پڑا ہوا ہے۔ دیکھا ہے کہ لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر غیبت کرتے ہیں۔ جھوٹ بولنا ایک معمول بنا ہوا ہے۔ رزق حرام کمانا' سودی کاروبار' لوگوں کی نظر میں یہ کوئی برائی نہیں۔ ہم اس کو گناہ سمجھتے ہیں جن کو لوگ برا جانیں۔ جس کو خدا برا جانے' اسے ہمارے نزدیک گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ ہم نے اپنی طرف سے گناہوں کی ایک فہرست دل میں بنا رکھی ہے۔ میں نے لوگوں کو دیکھا ہے کہ ہاتھ میں تسبیح لئے ہوئے ہیں' ذکر مسلسل جاری ہے اور سود کی قسط وصول کرنے چلے آ رہے ہیں اور انہیں اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ اس لئے سود ان کے نزدیک گناہ نہیں ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس چیز کو برا جاننا چاہئے جس کو خدا برا جانے۔ غیبت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''غیبت کا گناہ زنا سے زیادہ شدید ہے۔

کسی زنا کار کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ زانی ہے'' یا ''اس نے زنا کیا ہے۔''

اس کے زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے۔لیکن اس کا تو رواج پڑا ہوا ہے اس لئے ہم زنا کو تو بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں مگر اس سے بھی سخت گناہ غیبت کو اپنی تیار کردہ گناہوں کی فہرست میں جگہ نہیں دیتے۔

بزرگ لوگ گناہ کی مثال زہر آلود شہد سے دیتے ہیں۔ بظاہر بہت میٹھا ہے لیکن اس میں زہر ملا ہوا ہے۔بعض لوگ اس کی مثال خارش سے دیتے ہیں کہ تھوڑی دیر کیلئے تکلیف ختم ہوتی ہے لیکن بڑھتی چلی جائے گی۔خارش کرنے والے کو کوئی اطمینان نہیں ہوتا۔ خارش کا مریض جتنا خارش کرتا ہے' اتنی ہی خارش بڑھتی چلی جاتی ہے۔گناہ کی اصل حقیقت اللہ کی نافرمانی ہے اور اس کی ظلمت ونحوست کی وجہ سے سوچنے سمجھنے کی جو صلاحیت اللہ تعالیٰ نے انسان کو ودیعت کر رکھی ہے' مفقود ہو جاتی ہے۔

توبہ کی حقیقت:

گناہ سے توبہ کرنی چاہیے اور اس سے پہلے توبہ کی حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے۔ علامہ زمخشری ؒ اپنی تفسیر 'کشاف'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ایک دیہاتی کو دیکھا جو کہہ رہا تھا: میری توبہ! میری توبہ! میری توبہ! آپؓ نے فرمایا کہ ''یہ جھوٹے لوگوں کی توبہ ہے''۔ وہ بے چارہ پریشان ہو گیا۔اس نے کہا: مجھے بتائیے کہ سچی توبہ کیا ہوتی ہے؟ آپؓ نے فرمایا: سچی توبہ میں چھ باتیں ہوتی ہیں:

ا۔ ندامت:

پہلی بات ہے ندامت' شرمساری' اپنے پورے ماضی پر اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمسار ہونا۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض لوگ صرف اسی وجہ سے جنت میں چلے جائیں گے کہ ان کے گناہ زیادہ ہوں گے اور وہ اس وجہ سے بہت شرمسار ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

ترجمہ: ”اگر تم لوگ اتنے گناہ کرو کہ آسمان تک تمہارے گناہ پہنچ جائیں اور اس کے بعد تم سچ مچ شرمسار ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرما دیں گے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ’توبہ شرمساری کا نام ہے۔“ یعنی جو شخص سچ مچ دل میں شرمسار ہے' وہ تائب ہے۔ بزرگوں کا اس سلسلے میں جو عمل رہا ہے وہ بہت عجیب ہے۔ مثلاً ایک بزرگ کا قول ہے کہ اے اللہ مجھے حشر کے دن اندھا اٹھانا تا کہ میں تیرے سامنے شرمسار نہ ہوں۔ یہ ندامت کی کیفیت ہے۔ علامہ اقبالؒ اس کیفیت کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی نا گزیر
از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

تو ہر دو جہان سے غنی و بے نیاز ہے۔ میں تیرا محتاج ہوں۔ اگر تو مجھے قبول فرما لے تو میرے سارے گناہ معاف کر دینا بھی تجھ سے بعید نہیں ہے اور اگر تو نے یہ ٹھان ہی رکھی ہے کہ تو میرا حساب لے گا تو ایک درخواست یہ ہے کہ میرے نامہ اعمال کو حضور ﷺ کی نگاہ سے پوشیدہ رکھنا۔ میں ان کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔ علامہ صاحب کا ایک اور شعر ہے کہ:

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

”کہ شرمندگی کی وجہ سے جو آنسو میری آنکھوں سے ٹپکے تھے شان کریمی نے ان

آنسوؤں کو موتی سمجھ کر چن لیا۔تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ندامت کی بڑی قدر ہے۔“

علامہ اقبالؒ کا ایک اور شعر اس کی تصدیق کرتا ہے:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

کیونکہ یہ وہ خزانہ ہے جو اس کے ہاں بھی موجود نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کسی بات کی وجہ سے نادم نہیں ہوتے۔یہ تو بندہ ہی ہے جو نادم ہو سکتا ہے۔ندامت کا مراقبہ یعنی بیٹھ کر کبھی کبھی سوچنا کہ اگر میرا کوئی ماتحت میری نافرمانی کرے تو میرا اس سے کیا سلوک ہوتا ہے اور میں اللہ کی نافرمانی مسلسل کر رہا ہوں‘ کیا میں اس کے عذاب کا مستحق نہیں ہو گیا؟ اگر آدمی تھوڑی دیر کیلئے اس سے غور کرے تو جان نکلنے لگتی ہے۔پھر اس انداز پر سوچنا چاہیے کہ اللہ کے مجھ پر کتنے احسانات ہیں۔میں تو کوئی چیز ہی نہیں تھا‘اس نے مجھے وجود بخشا۔اس کے بعد مجھے بے حد وحساب قوتیں‘صلاحیتیں اور نعمتیں دیں۔اتنا محسن‘اتنا مہربان اور محبوب آقا اور میں اس کی نظروں میں مسلسل گر رہا ہوں! ایسے مراقبے میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ قیامت کے دن حشر کے موقع پر ایک مخلوق ہوگی جنہیں اللہ کا دیدار اور اس کا وصال نصیب ہوگا۔وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہوں گے اور میں کہیں اپنے گناہوں کی وجہ سے ان لوگوں میں سے تو نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دیکھیں گے ہی نہیں اور ان سے اپنا منہ پھیر لیں گے۔مراقبے میں آدمی اگر تھوڑی دیر بیٹھ کر یہ سوچے تو کیفیت بدل جاتی ہے۔میں نے یہ تجربہ تھوڑی دیر کیلئے کر کے دیکھا تو محسوس ہوا کہ آدمی وہ نہیں رہتا کہ جو تھا۔

۲۔ فرائض کی ادائیگی:

دوسری شرط یہ ہے کہ جو فرائض ہم پر عائد تھے اور ہم نے وہ ادا نہیں کئے‘ان فرائض

کی ادائیگی کریں۔زندگی ساری گزرگئی ہم پر فریضہ تھا اقامت دین کا'تبلیغ کا'قرآن کو پڑھنے کا'اس کو سمجھنے کا'اس پرعمل کرنے کا اوراس کو پھیلانے کا۔ساری زندگی گنوادی'یہ کام نہیں کیا۔ وہ فرائض جو کہ اللہ کی طرف سے عائد تھے ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

۳۔ حقوق کی واپسی:

تیسری شرط یہ ہے کہ اگر کسی مظلوم کا حق مارا ہوا ہے'کسی کے پیسے کھائے ہوئے ہیں'کسی کی جائیداد ہڑپ کی ہوئی ہے'اس کو فوراً لوٹائیں۔مظلوم اگر اب موجود نہیں ہے'ہم سے کہیں دور یا غائب ہو گیا ہے تو پھر اس کے لئے بیٹھ کر استغفار کریں۔

۴۔ مظلوم سے معافی:

چوتھی شرط یہ ہے کہ کسی کو گالی دی'کسی کو تکلیف پہنچائی یا دل دکھایا تو اس سے معافی مانگیں۔وہ اگر نہیں ملتا تو بیٹھ کر اس کیلئے دعا کریں اور خدا سے اس کیلئے معافی مانگیں۔خدا کی طرف سے اس کو کچھ اجر پہنچے۔

۵۔ عزم:

پانچویں شرط یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ یہ عزم کریں کہ میں آئندہ زندگی میں گناہ اور نافرمانی نہیں کروں گا۔اور اس عزم کی توفیق بھی اللہ ہی سے مانگے۔

۶۔ اطاعت:

توبہ کی چھٹی شرط یہ ہے کہ جس طرح سے اپنے نفس کو نافرمانی کا مزہ چکھاتے رہے مزے لوٹتے رہے'اب اس کو اطاعت کی کچھ تلخی بھی چکھائیں۔اب اس کی جان کو اطاعت میں گھلا دیں'زندگی کے چند لمحے بچ گئے ہیں۔ان کو اللہ کی راہ میں کھپا دیں۔اس میں پوری

جان کی بازی لگا دیں۔

یہ چھ شرائط ہیں۔ یہ چھ باتیں اگر ہماری توبہ میں شامل ہیں تو ہماری توبہ صادق ہے ورنہ ہماری توبہ جھوٹے لوگوں کی توبہ ہے۔

(۵) مزید دو اہم شرائط:

توبہ کی دو اہم شرائط اور بھی ہیں۔ایک یہ کہ توبہ کو ٹالنا نہیں چاہیے۔اس میں جلدی کرنی چاہیے۔قرآن مجید میں ہے: ''اللہ کے ذمے توبہ قبول کرلینا اور معاف کردینا صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو نادانی میں گناہ کرتے رہے اور گناہ کرنے کے فوراً بعد توبہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادیتے ہیں۔وہ خوب جاننے والا ہے۔اور ان لوگوں کی کوئی توبہ نہیں ہے جو زندگی بھر گناہ کرتے رہتے ہیں اور جب موت آن پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ میں توبہ کررہا ہوں میری توبہ ہے۔'' (النساء:۱۸۱۷)

ایسی توبہ فرعون نے بھی کی تھی جب غرق ہونے کا وقت آیا تو کہتا کہ: میں اس پر ایمان لایا کہ اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تمہیں ہوش آئی ہے۔توبہ کرنے کی؟ اس سے پہلے تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔(یونس:۹۱۹)

حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتے ہیں جب تک جان حلقوم میں نہ آجائے۔''

جب تک موت کے آثار نمودار نہ ہوجائیں اس وقت تک توبہ قبول فرماتے ہیں اور جب جان غرغرے میں آجائے اور موت آن پہنچے تو سمجھئے کہ زندگی کی سرحد سے نکل گئے اس وقت نامہ حساب بند ہوچکا ہوتا ہے۔اس معاملے میں جلدی کرنی چاہئے۔حدیث شریف

میں آتا ہے:۔ ''دو چیزوں میں جلدی کرو'ایک تو نماز کے قضاء ہونے سے پہلے اس کو ادا کرنے میں جلدی کرو اور دوسرے موت کے آنے سے پہلے توبہ کرنے میں جلدی کرو۔'' نماز کا وقت تو معین ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ آدھ گھنٹہ یا ایک گھنٹہ باقی ہے لیکن موت کا وقت کوئی جانتا ہی نہیں۔ہوسکتا ہے کہ ایک سیکنڈ کے اندر آجائے۔چنانچہ مطلب یہ ہوا کہ ایک سیکنڈ ضائع کئے بغیر توبہ کرو۔

(٦) انسان کا نفس اس کو دھوکہ دیتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کو مہلت ملتی رہے۔اس کی مثال یوں ہے جیسے کسی شخص کو نیا لگایا ہوا پودا اکھاڑنا ہو اور وہ یہ کہے کہ میں اگلے سال اس کو اکھاڑوں گا۔اگلے سال تک جڑیں اور بھی گہری ہو جائیں گی۔جتنی دیر مہلت دیتے چلے جائیں گے اس کو اکھاڑنا اتنا ہی مشکل ہو جائے گا۔پودے کو اب آسانی کے ساتھ ہاتھ کے ایک ہی جھٹکے سے اکھاڑ کر پھینک سکتے ہیں لیکن جب وہ تناور درخت بن جائے تو اس کو اکھاڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔یہی بات انسان کے ساتھ بھی ہے۔جوں جوں گناہ کی جڑیں انسانی شخصیت میں گہری ہوتی چلی جائیں گی توبہ کا عمل مشکل ہوتا چلا جائے گا۔نفس سمجھتا ہے کہ ایک مرتبہ اتنا گناہ کرلو کہ جی بھر جائے۔یعنی ایک دفعہ بیماری جو ہوتی ہے وہ آخری درجہ تک ہو لے بعد میں علاج کرا لوں گا۔پہلے تپ دق کا پہلا درجہ آئے گا'پھر دوسرا درجہ'پھر آخری درجہ۔پھر کروالیا علاج!تو توبہ کی ایک اہم شرط یہ ہے کہ اس میں جلدی کرنی چاہیے۔اس میں نفس کو مہلت نہیں دینی چاہیے۔اس میں خطرہ ہے کہ آج آپ نے سوچا کہ توبہ کرنی ہے'کل کرلوں گا' پرسوں کرلوں گا۔ہوسکتا ہے کہ کل اور پرسوں جب آئے تو یہ سوچ بھی آپ کی ختم ہو جائے۔ یا یہ کل اور پرسوں آئے ہی نہ۔

توبہ کی اصل نیت:

دوسری اہم شرط توبہ کی نیت کے بارے میں ہے۔وہ یہ کہ انسان توبہ اس لئے کرے کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے توبہ کر رہا ہے کیونکہ گناہ اللہ کی نافرمانی ہے۔کسی نے شراب اس لئے چھوڑ دی کہ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ اگر شراب نہیں چھوڑو گے تو جگر خراب ہو جائے گا' صحت برباد ہو جائے گی۔یہ توبہ نہیں ہے۔بدنامی کے ڈر سے گناہ چھوڑ دینا توبہ نہیں ہے۔ صرف اس لئے گناہ چھوڑ دینا کہ اس سے اللہ تعالٰی کی ناراضگی ختم ہو جائے گی۔یہ توبہ ہے۔ اس کو کہتے ہیں توبہ میں اخلاص۔

توبہ کی ترتیب:

۱۔ امام غزالیؒ توبہ کی ترتیب مقرر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان باتوں سے سب سے پہلے توبہ کرنی چاہیے: سب سے پہلے کفر اور شرک سے توبہ کرنی چاہیے۔

۲۔ سنے سنائے ایمان سے توبہ کرنی چاہیے۔سوچو سمجھو' ایمان لانے کے قابل باتیں ہیں تو ایمان لاؤ' ورنہ کہاں کا ایمان؟ ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم اس لئے مسلمان ہیں کہ اپنے اردگرد لوگوں کو مسلمان کہلواتے ہوئے سنا اور دیکھا ہے اور خود دماغ سے کام نہیں لیا۔یہ کچا پکا اور رواجی ایمان ہے۔اس کچے پکے اور رواجی ایمان سے توبہ کرنی چاہیے۔

۳۔ ظاہری گناہوں سے توبہ خواہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ۔

۴۔ ظاہری گناہوں کے ساتھ ساتھ باطنی گناہوں سے بھی توبہ کریں۔مثلاً حسد، کینہ، بغض، وغیرہ۔ہم لوگ اندر ہی اندر آگ لئے بیٹھے ہیں' باہر کسی کو معلوم ہی نہیں۔ گالی نہیں دی لیکن اندر سے دل چاہ رہا ہے کہ قتل ہی کر دوں۔سب باطنی گناہ ہیں۔

۵۔ توہمات سے توبہ کریں یعنی یوں خیالی پلاؤ پکاتے رہنا کہ یہ کروں گا' وہ کروں گا۔

اس کو حدیث کی زبان میں "طول امل" کہتے ہیں یعنی لمبی لمبی امیدیں باندھ لینا۔

توبہ کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ وہ گناہ جو اعلانیہ کئے ہیں ان کی اعلانیہ توبہ کریں، جو چھپ کر کر چکے ہیں، ان کی چھپ کر توبہ کریں۔ جو گناہ چھپ کر کر چکے ہیں ان کی اعلانیہ توبہ نہیں کرنی چاہئے۔ جب یہ سب کچھ کرلیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت جوش میں آجاتی ہے۔ یہ جو باتیں میں نے بیان کی ہیں جس توبہ کے اندر موجود ہوں اسے توبہ نصوح کہتے ہیں۔ یعنی پکی اور سچی توبہ۔ اسی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی شان کریمی جوش میں آتی ہے۔

دعائے مغفرت

گکھڑ کے بزرگ بھائی حاجی محمد احمد

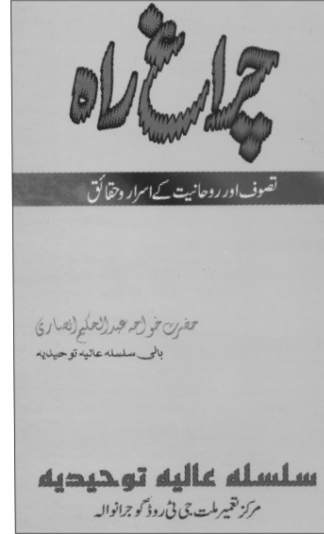
ملتان سے خالد محمود بخاری کی ممانی

ملتان سے حاجی محمد رفیق کے بڑے بھائی محمد حنیف

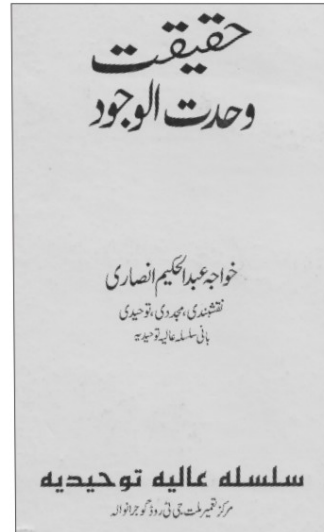
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

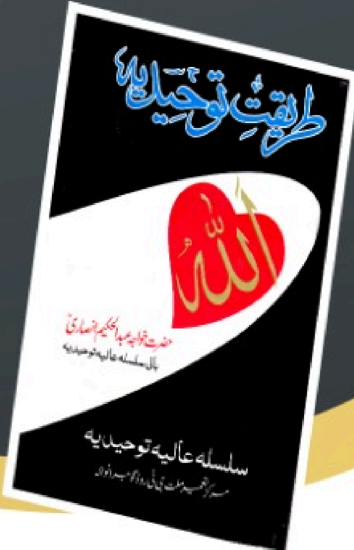


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com